اسرائیل فلسطین تنازعہ

الصراع الإسرائيلي الفلسطيني

تاریخی حقائق کی روشنی میں

في ضوء الحقائق التاريخية

ایک تحقیقی اور علمی بحث/مقالہ

بحث ومناقشة علمية/أطروحة

الطاف حسین

اسرائیل ۔ فلسطین تنازعہ

Israel - Palestine Conflict:

تاریخی حقائق کی روشنی میں علمی اور تحقیقی مقالہ

Research Paper

in the Light of Historical Facts

از

الطاف حسین

13 نومبر 2023ء

(ترمیمی ایڈیشن)

معزز قارئین کرام! —— Dear Readers!

اسرائیل۔فلسطین تنازعے کو سمجھنے کیلئے نئی نسل کے نوجوانوں، تاریخ کے طلباء و طالبات اور عوام کیلئے یہ جاننا انتہائی ضروری ہوگا کہ فلسطین کیا ہے؟ —— اسرائیل کیا ہے؟ —— فلسطین۔اسرائیل تنازعہ کیا ہے؟ —— فلسطین اور اسرائیل کے درمیان اس تنازعے نے کب سے جنم لیا؟

میں پوری کوشش کروں گا کہ اس تنازعے کو اس طرح بیان کروں کہ طالب علموں کے ساتھ ساتھ ہر خاص و عام طبقے سے تعلق رکھنے والے عوام اسے با آسانی سمجھ سکیں۔

تاریخِ فلسطین ...... (History of Palestine)

فلسطین ایک بہت قدیم جغرافیے پر مبنی ایسا خطہ (علاقہ) ہے جس کی تاریخ بھی بہت قدیم (بہت پرانی) ہے۔ فلسطین کی ابتدائی تاریخ اس زمانے کی ہے جس زمانے کو BCE کہا جاتا ہے یعنی وہاں پر ابتدائی زمانے کے ایسے لوگوں کے وجود کا ذکر ملتا ہے جنہیں زمانہ قبل از تاریخ (Prehistoric Time) کے دور کا انسان کہا جاتا ہے۔

آسان اور سادہ الفاظ میں BCE اس دور کو کہا جاتا ہے جسے عرفِ عام میں پتھر کا قدیم زمانہ (Old Stone Age) کہا جاتا ہے۔

BCE کی اصطلاح کو تین طریقوں سے بیان کیا جاتا ہے یا انگریزی زبان میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ

BCE کی تین تعریفیں ...... (Three Definitions of BCE)

(1) عام دور سے پہلے —— Before Common Era

(2) موجودہ دور سے پہلے —— Before Current Era

(3) مسیحی دور سے پہلے —— Before Christ Era

خطۂ فلسطین کے وجود کے بارے میں تاریخ کی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فلسطین کا علاقہ

اتنا پرانا ہے کہ یہاں پتھر کے قدیم زمانے کے لوگوں کے رہنے کے اثرات ملتے ہیں یا پائے جاتے ہیں۔ فلسطین کی پوری قدیم تاریخ میں اس خطے نے مختلف سلطنتوں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کا مشاہدہ کیا ہے۔

کنعانی ...... (Canaanites) کون تھے؟

کنعانی (Canaanites) اس سرزمین فلسطین کے سب سے قدیم ترین باشندے تھے۔ قدیم تاریخی کتابوں کے مطابق یہ کنعانی لوگ "سامی" (Semitic-Speaking) زبان بولتے تھے۔ یہ کنعانی لوگ ایک علاقہ جسے کنعان (Canaan) کہا جاتا ہے اُس علاقے میں آباد تھے۔ آج کے موجودہ دور کے مطابق کنعان (Canaan) کا یہ رقبہ لبنان، اسرائیل، فلسطین، اردن اور شام کے حصوں پر مشتمل تھا۔

ان کنعانیوں نے "کانسی کے دور" (Bronze Age) کے اواخر میں زرعی طریقوں میں جدیدیت، تجارتی نیٹ ورکس کے علاوہ شہری ریاستوں کے قیام میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان کنعانیوں کے مذہب میں بہت سے دیوتاؤں کو پوجا جاتا تھا۔

اسرائیلی ...... (Israelites)

اسرائیلیوں سے مراد قدیم عبرانی لوگ (Hebrew People) ہیں جو کتاب مقدس بائبل (Bible) کے مطابق حضرت یعقوبؑ کی اولاد تھے۔ اب یہاں یہ بات سمجھنا اشد ضروری ہے کہ حضرت یعقوبؑ کون تھے؟

حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے شجرہ نسب اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ

حضرت ابراہیمؑ (Hazrat Ibrahim AS or Abraham) کے بیٹے

حضرت اسحاقؑ (Hazrat Ishaq AS or Isaac) تھے اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب

(Hazrat Yaqoob AS or Jacob) تھے یعنی کہ حضرت یعقوبؑ، حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے۔

حضرت یعقوبؑ (Hazrat Yaqoob AS) کا لقب حضرت اسرائیلؑ (Hazrat Israel AS) تھا۔

حضرت یعقوبؑ کو کب اور کس طرح اسرائیل کا لقب عطا ہوا یا دیا گیا؟

بائبلی تاریخ (Biblical History) کے مطابق حضرت یعقوبؑ کی زندگی میں ایک اہم واقعہ پیش آیا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک رات کو ایک فرشتے نے آ کر حضرت یعقوبؑ سے کُشتی (Wrestling) کا مقابلہ کیا اور یہ مقابلہ پوری رات جاری رہا اور حضرت یعقوبؑ نے اللہ کی مدد سے اس فرشتے پر قابو پا لیا تھا۔ اس پر فرشتے نے حضرت یعقوبؑ کو "اسرائیل" کا خطاب دیا تھا۔ جس کا مطلب ہے کہ "خدا (اللہ) کی مدد سے لڑنے والا"

حضرت یعقوبؑ کو عبرانی (Hebrew) زبان میں "یاکوف" (Yaakov) کہا جاتا ہے جبکہ عربی زبان میں یعقوب (Yaqoob) کہا جاتا ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے 12 بیٹے تھے اس طرح حضرت یعقوب (Jacob) کی اولادوں اور ان سے آنے والی اولادوں (Generations) کو "بنی اسرائیل" کہا جاتا ہے جنہیں انگریزی زبان میں "Israelites" کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے لوگوں کا وجود خطہ فلسطین میں 12 ویں صدی قبل مسیح (BCE) کے آس پاس سامنے آیا۔

یہاں میں ایک وضاحت کر دوں کہ حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام حضرت اسمٰعیلؑ تھا جبکہ دوسرے بیٹے کا نام حضرت اسحاقؑ تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی پرورش عرب کے شہر مکہ میں ہوئی جبکہ حضرت اسحاقؑ کی پرورش فلسطین کے علاقے میں ہوئی۔

آشوری اور بابلی سلطنتیں:

(Assyrian and Babylonian Empires)

8 ویں صدی قبل مسیح (8th BC) میں فلسطین کے علاقے میں دو اور سلطنتیں آشوری (Assayrian) اور بابلی (Babylonian) کے نام سے قائم ہوئیں۔

A.D کا دورانیہ:

A.D کے دورانیے کو بتانے سے پہلے نئی نسل کے نوجوانوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ A.D کا مطلب کیا ہے؟ A.D کا مطلب Anno Domini یعنی A Year After Jesus Christ Was Born ہے جس کا آسان زبان میں مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے بعد کے آنے والے تمام سال۔ یعنی کہ آج میں جس سال یہ مقالہ (Thesis) تحریر کر رہا ہوں وہ سال 2023ء A.D کا سال ہے۔

خطہ فلسطین نے عیسوی دور میں کئی سلطنتوں کے عروج وزوال، بڑے عالمی مذاہب کے پھیلاؤ اور سامراجی طاقتوں کے اثرات کو دیکھا۔

رومن اور بازنطینی سلطنتیں...... (Roman and Byzantine Empires)

رومی سلطنت نے 63ویں قبل مسیح میں فلسطین پر قبضہ کیا اور اس طرح فلسطین رومی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ ایسٹرن رومی سلطنت کا حصہ بعد میں بازنطینی سلطنت (Byzantine Empire) کی شکل میں قائم ہوا۔

اسلامی سلطنتیں......(Islamic Empires)

ساتویں صدی عیسوی میں خلافت راشدین کی فوجوں نے فلسطین کو فتح کیا اور اس پورے خطے میں اسلام کو پھیلایا۔ اس کے بعد صدیوں کے دوران یہ خطہ فلسطین مختلف اسلامی خاندانوں کے کنٹرول میں رہا جن میں اموی (Umayyads)، عباسی (Abbasids) اور فاطمی (Fatimids) خاندان شامل تھے۔

فلسطین پر مسلم حکومتوں کا دورانیہ ......(Period of Muslim rule over Palestine)

1۔اموی (Umayyads) دورِ حکومت ———— 661ء سے 750ء

2۔عباسی (Abbasids) دورِ حکومت ———— 750ء سے 1258ء

3۔فاطمی (Fatimids) دورِ حکومت ———— 909ء سے 1171ء

صلیبی جنگیں ...... (Crusades)

11 ویں سے 13 ویں صدیوں میں یورپی عیسائیوں کے ذریعہ مقدس سرزمین (یروشلم) پر دوبارہ دعویٰ کرنے کیلئے صلیبی جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔جب یورپی عیسائیوں نے ان صلیبی جنگوں کا آغاز کیا اس وقت یروشلم مسلمانوں کے کنٹرول میں تھا۔ان جنگوں سے اس خطے پر گہرا اثر پڑا جو صلیبی ریاستوں کے قیام کا سبب بنیں۔

سلطنت عثمانیہ...... (Ottoman Empire)

16 ویں صدی میں سلطنت عثمانیہ نے فلسطین کو فتح کیا اور کئی صدیوں تک اس خطے پر حکومت کی ۔ اس دوران "یروشلم" اسلام،عیسائیت اور یہودیت کا ایک اہم مرکز بن گیا۔

برطانوی مینڈیٹ...... (British Mandate)

پہلی جنگ عظیم (1914ء سے 1918ء) کے خاتمے کے ساتھ ساتھ سلطنت عثمانیہ کا بھی اختتام ہوا جس کے بعد برطانیہ نے لیگ آف نیشنز مینڈیٹ (League of Nations Mandate) کے تحت فلسطین کا کنٹرول سنبھال لیا۔اس دور میں پوری دنیا سے یہودیوں کی امیگریشن میں اضافہ ہوا اور ساتھ ساتھ عربوں اور یہودیوں کے درمیان پائی جانے والی کشیدگی میں بھی مزید اضافہ ہوا۔

اب میں فلسطین اور اسرائیل تنازعے کے تازہ ترین حالات سے نئی نسل کے نوجوانوں اور قارئین کرام کو آگاہ کروں کہ 1918ء میں جنگ عظیم اول کے اختتام کے بعد برطانوی سلطنت نے فلسطین کا کنٹرول سنبھال لیا تھا تو اس کے بعد کیا ہوا۔

یہ بیان کرنے سے پہلے میں چند اہم ضروری اور بنیادی نکات بیان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں تا کہ نوجوان نسل سے تعلق رکھنے والے اس سے آگاہ ہو سکیں۔جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوئم کے بارے میں آپ تمام قارئین متعدد مرتبہ سن اور پڑھ چکے ہوں گے ۔آیئے! ان دونوں جنگوں کے بارے میں کچھ مزید جانتے ہیں۔

1۔ جنگِ عظیم اوّل ----- (First World War)

اس پہلی جنگِ عظیم کا آغاز 28 جولائی 1914ء کو ہوا جو 11 نومبر 1918ء کو اختتام پذیر ہوئی۔ یہ جنگ دو بڑی پاورز کے درمیان ہوئی جنہیں Alies Powers اور Central Powers کے نام سے جانا جاتا ہے۔

(A) الائیز پاورز: (Alies Powers)

الائیز پاورز میں برطانیہ عظمیٰ یا عظیم برطانیہ (Great Britain)، فرانس، روس، یونائیٹڈ اسٹیٹس (US)، اٹلی اور جاپان شامل تھے۔

(B) سینٹرل پاورز: (Central Powers)

سینٹرل پاورز میں جرمنی، آسٹریا، ہنگری، بلغاریہ، سربیا اور سلطنتِ عثمانیہ شامل تھے۔

2۔ جنگِ عظیم دوئم ----- (Second World War)

یہ جنگ بھی دو بڑے گروہوں کے درمیان ہوئی جس کا آغاز یکم ستمبر 1939ء کو ہوا اور 2 ستمبر 1945ء کو اختتام ہوا یعنی یہ جنگ 6 سال ایک دن تک جاری رہی۔ دو بڑے گروہوں میں ایک گروپ ایکسس پاورز (Axis Powers) اور دوسرا گروپ دی الائیڈ (The Allied) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

(A) ایکسس پاورز (Axis Powers)

ایکسس پاورز میں جرمنی، اٹلی اور جاپان شامل تھے۔

(B) الائیڈ پاورز (Allied Powers)

الائیڈ پاورز میں فرانس، گریٹ برٹش، یو ایس اے اور سوویت یونین شامل تھے جبکہ چائنا بھی کسی حد تک شامل تھا۔

لیگ آف نیشنز کا قیام ......(Formation of League of Nations)

بین الاقوامی دنیا کے درمیان امن کے قیام اور رابطے کے لئے 40 سے زائد ممالک نے مل کر 10 جنوری 1920ء کو "لیگ آف نیشنز" (League of Nations) قائم کی جس کا اختتام 19 اپریل 1946ء کو باقاعدہ طور پر ہوا۔

اقوام متحدہ کا قیام ......(Foundation of United Nations)

24 اکتوبر 1945ء کو اقوام متحدہ کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے باقاعدہ ابتدائی ممبران ممالک کی تعداد 51 تھی۔ فلسطین کی تاریخ کے بارے میں، میں ابتدائی صفحات میں کسی حد تک پہلے ہی بتا چکا ہوں لیکن اب میں نئی نسل کے نوجوانوں اور قارئین کرام کو بتانا چاہتا ہوں کہ فلسطین کا علاقہ (خطہ) کس طرح تقسیم کیا گیا۔

(3) علاقہء فلسطین کی تقسیم ......(Partition Of Palestien)

جیسا کہ میں اپنی تحریر میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ 1918ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد لیگ آف نیشنز مینڈیٹ کے تحت سلطنت برطانیہ نے فلسطین کا کنٹرول سنبھال لیا تھا جسے جنگ عظیم دوئم یعنی 1945ء کے بعد فلسطینی علاقے سے واپس جانا تھا۔ تو پھر کیا ہوا؟ ـــــ اس کی کچھ مختصر تفصیل یہاں بیان کرنا ضروری ہے کہ "بالفور ڈیکلریشن" (Balfour Declaration) کیا تھا؟

(4) بالفور ڈیکلریشن ......(Balfour Declaration)

"بالفور ڈیکلریشن" (Balfour Declaration) ایک خط تھا جو 1917ء میں آرتھر بالفور (Arthur Balfour) نے لکھا تھا۔ آرتھر بالفور اس وقت برطانوی سلطنت کے سیکریٹری خارجہ تھے۔ آرتھر بالفور نے اپنے اس خط میں فلسطین میں "یہودیوں کیلئے قومی گھر" (National Home for the Jewish People) کے قیام کیلئے برطانوی حکومت کی حمایت کا اظہار کیا تھا اور 2 نومبر 1917ء کو یہ خط

آرتھر بالفور نے برطانوی یہودی کمیونٹی کے رہنما لارڈ روتھ شائلڈ (Lord Rothschild) کے نام لکھا تھا۔ واضح رہے کہ برطانوی سیکریٹری خارجہ نے یہ خط پہلی جنگ عظیم کے خاتمے سے ایک سال پہلے یعنی 2 نومبر 1917ء کو لکھا تھا جبکہ پہلی جنگ عظیم کا خاتمہ 11 نومبر 1918ء کو ہوا تھا۔ یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ آرتھر بالفور نے "یہودی لوگوں کے لئے قومی گھر" فلسطین کے جس علاقے میں قائم کرنے کا ذکر کیا تھا وہ چھوٹی اقلیتی یہودی آبادی والا عثمانی خطہ تھا۔ یہاں اس امر کا ذکر کرنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ انتہائی اہم بھی ہے کہ آرتھر بالفور (Arthur Balfour) کا یہی وہ خط تھا جو اسرائیل کی ریاست کے قیام کا سبب بنا جو 14 مئی 1948ء کو قائم کی گئی۔

(5) اب قارئین غور کریں کہ 29 نومبر 1947ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اپنی ایک قرارداد 181 (جسے تقسیم فلسطین کی قرارداد بھی کہا جا سکتا ہے) پاس کی۔ اس 181 قرارداد کے تحت فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرکے اسے "عرب" اور "یہودی" ریاستوں میں تقسیم کرنا مقصود تھا اور فلسطین کا وہ حصہ جسے یروشلم (Jerusalem) کہا جاتا ہے اسے 181 کی قرارداد میں "کورپس سیپارٹم" (Corpus Separtum) یعنی علیحدہ وجود والا علاقہ (Seperate Entity) قرار دیا گیا تھا جو خصوصی بین الاقوامی حکومت کے ماتحت ہوگا۔

اس طرح فلسطین کو دو علیحدہ علیحدہ ریاستوں میں یعنی عرب اور یہودی ریاستوں میں تقسیم کردیا گیا اور یروشلم (Jerusalem) کو ایسا حصہ قرار دیا گیا جو بین الاقوامی حکومت کے ماتحت ہوگا، اور بالآخر 14 مئی 1948ء کو ریاست اسرائیل کا باقاعدہ قیام عمل میں لایا گیا۔

(6) اقوام متحدہ میں شامل 50 سے زائد ممالک نے ریاست اسرائیل کے قیام کو تسلیم کرلیا۔

اب میں قارئین کرام کے سامنے کچھ ایسے حقائق بیان کررہا ہوں کہ جنہیں پڑھ کر شاید آپ کو یہ محسوس ہو کہ وہ بیان کردہ حقائق سوالات کی شکل میں آپ سے پوچھے جارہے ہیں۔ لیکن ان حقائق کو اس طرح ضبط تحریر میں لانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہر فرد اس پر غور وفکر کرلے اور بیان کردہ حقائق کے درست یا غلط ہونے کا اندازہ کرسکے، یا میرے بیان کردہ حقائق میں مزید اصلاح کا کوئی اور نیا پہلو سامنے لے آئے۔ لہٰذا اب میں

اپنی تحریر کو مزید آگے بڑھاتا ہوں کہ میں اب تک کے بیان کردہ تاریخی حقائق کی روشنی میں ایک اہم تاریخی بات لکھنا بھول گیا تھا جسے میں یہاں بیان کرتا ہوں کہ،

(7) فلسطین پر 1918ء تک سلطنتِ عثمانیہ کی حکومت قائم تھی۔ مزید وضاحت اس بارے میں یہ ہے کہ سلطنتِ عثمانیہ کے ترک قبائلیوں (Turkic Tribesmen) نے 1517ء میں پورے فلسطین پر سلطنتِ عثمانیہ کا جھنڈا لہرا دیا تھا۔ ترک قبائل فلسطین میں 1918ء تک یعنی 402 سال تک موجود رہے۔

(8) 1918ء سے لے کر 1948ء یعنی 30 سال تک فلسطین پر سلطنتِ برطانیہ کا قبضہ رہا۔

(9) بالفور ڈیکلریشن میں سلطنتِ برطانیہ کے سیکریٹری خارجہ آرتھر بالفور نے 2 نومبر 1917ء کو جو خط برطانوی یہودی کمیونٹی کے رہنما، لارڈ روتھ شائلڈ (Lord Rothschild) کو لکھا تھا اس میں انہیں فلسطین میں "یہودیوں کے قومی گھر" بنانے کا یقین دلایا گیا تھا۔ 29 نومبر 1947ء کو اقوامِ متحدہ نے ایک قرارداد 181 کے تحت فلسطین کو دو ریاستوں یعنی عرب اور یہودی ریاستوں میں تقسیم کر دیا تھا جس کے بعد 14 مئی 1948ء کو ریاست اسرائیل کا قیام عمل میں لایا گیا۔

(10) اقوامِ متحدہ کی قرارداد 181 نے نہ صرف فلسطین کے علاقے میں ریاست اسرائیل قائم کی بلکہ فلسطین کی قدیم جغرافیائی حیثیت کو ختم کر کے فلسطینی علاقوں کو عرب ریاستوں میں بھی شامل کر دیا۔

(11) کیا آپ نہیں سمجھتے کہ اس طرح اقوامِ متحدہ نے فلسطین پر صدیوں سے آباد فلسطینی عوام کے بنیادی انسانی حقوق کو مکمل طور سے پسِ پشت ڈال دیا تھا؟

مزید حقائق:

(12) اب میں ریاست اسرائیل کے قیام جو 14 مئی 1948ء کو قائم کی گئی تھی، کے بارے میں کچھ مزید نکات اٹھانا چاہوں گا۔

فلسطین کا علاقہ کتنا قدیم علاقہ (خطہ) ہے اس کی تفصیلات میں اپنی تحریر میں پہلے ہی خاصی تفصیل سے بتا چکا ہوں کہ جہاں کہیں کوئی علاقہ (خطہ) ہو گا وہاں انسانوں کے وجود سے انکار ممکن نہیں اور اگر انسان کا وجود کسی علاقے

یا خطے میں ناممکن ہو تو بھی وہاں حشرات الارض میں سے کسی کا وجود تو لازما ہوگا۔ اسی اصول کے مطابق فلسطین ایک بہت ہی قدیم خطہ ہے جہاں پر صدیوں سے رہنے والے لوگ اپنے آپ کو فلسطین سے ہی منسوب کریں گے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں رہنے والے انسان اپنے آپ کو اپنے آباؤ اجداد کے علاقے (خطے) سے ہی منسوب کرتے ہیں۔ لہٰذا فلسطین میں رہنے والوں نے اقوام متحدہ کی قرارداد 181 کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنے وطن فلسطین کو آزاد کرانے کی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اس طرح 14 مئی 1948ء کے بعد سے اسرائیل اور فلسطین کے درمیان تنازعے کا آغاز ہوا جسے دیرینہ تنازع کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ میں نے اپنی تحریر میں پہلے بیان کیا ہے کہ فلسطین کے عوام نے تقسیم فلسطین کو تسلیم نہیں کیا تھا لہٰذا انہوں نے خطہ فلسطین میں ہی رہتے ہوئے آزادی اور صرف آزادی کی جدوجہد شروع کر دی جو آج تک جاری ہے۔

اب مزید آگے چلتے ہیں کہ 14 مئی 1948ء میں ریاست اسرائیل کے قیام کے بعد سے آج 2023ء تک کیا کیا ہوتا رہا ہے، اس بابت کچھ باتیں کریں گے۔

(13) کیا یہ بات درست نہیں کہ جب 14 مئی 1948ء کو ریاست اسرائیل کے قیام کا باقاعدہ اعلان کیا گیا تھا تو اسرائیل نے طاقت کا بے دریغ استعمال کر کے سرزمین فلسطین کے باقی رہ جانے والے وہ علاقے جنہیں اقوام متحدہ کی قرارداد 181 کے تحت عرب ریاستوں کا حصہ بنایا گیا تھا اُن میں سے بہت سے علاقوں پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا تھا اور وہاں رہنے والے ہزاروں فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا تھا؟

آج بھی اُن علاقوں پر اسرائیل کا قبضہ برقرار ہے لیکن افسوس کہ اقوام متحدہ نے اپنی منظور کردہ 181 قرارداد کی خلاف ورزی کرنے پر نہ تو قبضہ کیے گئے فلسطینی علاقوں کو خالی کرانے کیلئے کوئی اقدام کیا اور نہ ہی اسرائیل کے خلاف کوئی ایکشن لیا۔

(14) اسرائیلی ریاست کی افواج کے حملوں کا یہ سلسلہ جاری رہا اور مزید سے مزید فلسطینی علاقوں پر قبضے کیے جاتے رہے۔ اسرائیلی افواج کے حملوں میں ہر گزرتے دن کے ساتھ نہ صرف اضافہ ہوتا رہا بلکہ اسرائیل نے اپنے حملوں میں بندوقوں اور چھوٹے ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ گولہ بارود سمیت ٹینکوں کا استعمال بھی کرنا شروع کر دیا۔ پوری دنیا شاہد ہے کہ اسرائیلی افواج جب اور جس جس فلسطینی علاقے پر حملے کرتیں تو اُن علاقوں

میں رہنے والے فلسطینی عوام اور نوجوان پتھروں اور غلیلوں سے اُن کا مقابلہ کرتے تھے مگر غلیلوں سے جدید ترین بندوقوں اور بھاری ہتھیاروں کا مقابلہ کس طرح اور کتنی دیر تک کیا جا سکتا ہے لہٰذا بالآخر فلسطینی عوام کے پاس اُن علاقوں کو خالی کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ باقی نہ رہتا تھا۔ اسرائیل کے اِن حملوں کی وجہ سے بڑی تعداد میں فلسطینی عوام ہلاک و زخمی ہوتے تھے اور فلسطینی عوام کو اپنے وہ علاقے چھوڑنے پڑتے تھے جن پر اسرائیلی افواج قبضے کر کے اُن علاقوں پر اسرائیل کے لوگوں کی آبادکاریاں کراتی تھیں۔

اس سے پہلے کہ میں اسرائیل فلسطین تنازعے کی تاریخ کے بارے میں اپنے تحقیقی مقالے کو مزید آگے بڑھاؤں، یہاں میں اُن اہم شخصیات کی تصاویر پیش کرنا چاہوں گا جن کی خط و کتابت کے نتیجے میں فلسطین کے علاقے میں یہودیوں کے علیحدہ "قومی گھر" بنانے کی تجویز کے بعد ہی سلطنت برطانیہ نے اسرائیل کے قیام کیلئے اپنی کوششوں کو جرگزرتے دن کے ساتھ تیز سے تیز تر کر دیا تھا۔ اُن اہم شخصیات میں ایک طرف آرتھر بالفور (Arthur Balfour) کی تصویر ہے جبکہ دوسری طرف لارڈ روتھشائلڈ (Lord Rothschild) کی تصویر ہے۔

(آرتھر بالفور کی تصویر اور لارڈ روتھشائلڈ کی تصویر مقالے کے آخری صفحات پر ملاحظہ کیجئے۔)

اس کے علاوہ میں دو عدد نقشوں (Maps) کے عکس بھی قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ 1917ء میں فلسطین کے علاقے میں یہودیوں کی آبادی کتنی تھی جسے بلیو کلر میں اور غیر یہودیوں بشمول مسلمانوں کی کتنی آبادی تھی جسے گرین کلر میں دکھایا گیا ہے۔

اسی طرح ایک نقشہ 1918ء سے 1947ء کا بھی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی کتنی آبادی بڑھی۔ یہ نقشہ جات مقالے کے آخری صفحات پر ملاحظہ کیجئے۔

قارئین کرام!

یہاں غور کریں کہ 1917ء کا جو پہلا نقشہ ہے وہ اُس وقت کا ہے جب اسرائیل کی باقاعدہ ریاست قائم نہیں ہوئی تھی اور جس کا قیام 14 مئی 1948ء کو عمل میں لایا گیا تھا۔

تاریخ مزید یہ بتاتی ہے کہ 1918ء میں پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر جب سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا تو لیگ آف نیشنز (League of Nations) نے 1922ء میں فلسطین کو سلطنت برطانیہ کے مکمل کنٹرول میں دے دیا، جب فلسطین پر برطانیہ کا کنٹرول ہوا تو 14 مئی 1948ء سے پہلے یعنی اسرائیل کی علیحدہ ریاست کے قیام کے اعلان سے پہلے فلسطین میں یہودیوں کی آبادی 1918ء سے 1947ء تک 6 فیصد سے بڑھ کر 33 فیصد ہو گئی۔

پہلی اسرائیل۔عرب جنگ 1948ء۔۔۔۔۔۔(First Israel-Arab War 1948)

1948ء میں اسرائیل کی ریاست بن جانے کے بعد پہلی اسرائیل۔عرب جنگ کا آغاز ہوا جس میں اسرائیل کی فوج کو عرب ریاستوں کی افواج پر سبقت حاصل ہوئی اور اسرائیلی افواج نے تاریخی فلسطین کے 78 فیصد حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس قبضے کی وجہ سے لاکھوں فلسطینیوں میں سے تین چوتھائی فلسطینی آبادی کو ان کے گھروں سے جبری بے دخل کر دیا گیا اور یہ بے دخل خاندان غزہ (Gaza) اور مغربی کنارے (West Bank) پر آباد ہونے پر مجبور ہوئے۔

14 مئی 1948ء کو اسرائیل کی ریاست کے قیام کے بعد اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان جنگوں سمیت کئی تنازعات رونما ہوئے۔ بڑی جنگوں میں 1948ء میں اسرائیل اور عرب جنگ، 1956ء میں سوئز کینال کا بحران، 1967ء میں چھ روزہ جنگ، 1967ء سے 1970ء تک جنگ بندی یعنی دونوں (اسرائیل اور عرب) جنگ بند کرانے یعنی مزید یہ کہ جنگ کو کیسے کم سے کم کیا جائے یا ختم کیا جائے، اس کے لئے 1967ء سے 1970ء تک چھوٹی بڑی جنگیں ہوتی رہیں۔

یوم کپور جنگ 1973ء۔۔۔۔۔۔ (Yom Kippur War in 1973)

1973ء میں "یوم کپور" (Yom Kippur) جنگ ہوئی۔ یوم کپور جنگ اس جنگ کو کہا جاتا ہے جو 6 اکتوبر 1973ء کو اسرائیل اور عرب ممالک خصوصاً مصر (Egypt) اور شام (Syria) کے درمیان لڑی گئی۔

مزید وضاحت: اس جنگ کو "اکتوبر جنگ" یا "رمضان جنگ" (Ramadan War) بھی کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کا آغاز یہودیوں کے مقدس دن "یوم کپور" کو ہوا تھا۔

6 اکتوبر 1973ء کو "یوم کپور" کے دن عرب اتحاد نے یہ جنگ شروع کی تاکہ اسرائیل کے قبضہ کئے گئے ان علاقوں کو اسرائیل سے واپس لیا جائے جن پر اسرائیل نے 1967ء کی چھ روزہ جنگ کے دوران قبضے کئے تھے۔ اس طرح عرب اتحادی فوجیں، سویز کینال پار کر کے سینائی جزیرہ نما (Sinai Peninsula) میں داخل ہوگئیں۔

اس پر ابتدائی طور پر اسرائیل پریشان تو ضرور ہوا مگر اس نے اپنے آپ کو دوبارہ منظم کیا اور دوبارہ حملہ کر کے عرب اتحادی فوجوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ یہ جنگ تقریباً تین ہفتوں تک جاری رہی اور بالآخر جنگ بندی پر ختم ہوئی۔ اس کے بعد 1982ء میں اسرائیل اور لبنان کے درمیان جنگ ہوئی۔

اب میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا ہے کہ جس طرح اسرائیل کی باقاعدہ فوج ہے تو کیا اسی طرح فلسطین کی بھی کوئی فوج تھی یا ہے؟ تحقیق کے نتیجے میں جو باتیں سامنے آئیں ان باتوں سے میں یہاں نوجوان نسل، طلباء وطالبات اور قارئین کرام کو آگاہ کرنا چاہوں گا کہ اسرائیل کی طرح فلسطین کی کوئی باقاعدہ روایتی فوج نہیں تھی تاہم فلسطین پر اسرائیل کے قبضے کے بعد فلسطین کی آزادی کیلئے فلسطینی کاز سے وابستہ مسلح گروہ اور فوجی دستے ضرور قائم ہوتے رہے ہیں، جیسے فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (PLO) اور اس کا مسلح ونگ اور فلسطین لبریشن آرمی (PLA)۔ یہ وہ گروہ ہیں جو مسلح مزاحمت، گوریلا جنگ اور دیگر قسم کی فوجی سرگرمیوں میں مصروف ہیں

یہاں یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ صورتحال بہت پیچیدہ ہے۔ اس تنازعے میں بہت سے دیگر چند چھوٹے بڑے بین الاقوامی ممالک بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ شامل ہو چکے ہیں۔ مزید ایک سوال یہاں اور پیدا ہوتا ہے کہ فلسطین نے کیا کبھی اسرائیل پر فضائی حملے کیے ہیں؟ تو اس کا جواب انتہائی سادہ اور آسان ہے کہ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ فلسطین کے پاس فضائیہ (Air Force) کا وجود ہی نہیں پایا جاتا تو وہ اسرائیل پر فضائی حملہ کیسے کر سکتا ہے؟ دوسری طرف اسرائیل کے پاس خطے میں جدید ترین فضائی افواج ہیں جو ٹیکنالوجی کے لحاظ سے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سے زیادہ یا برابر کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اسرائیل نے خطے میں متعدد مرتبہ فضائی حملے کیے ہیں۔

اب یہاں ایک اور سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا فلسطین کے پاس بھاری توپ خانہ (Heavy Artilery)، ٹینکس (Tanks) کی صلاحیت موجود ہے؟ تو اس کا جواب بھی یہ ہے کہ نہیں ہرگز نہیں۔ ایک مقبوضہ علاقے کے طور پر فلسطین کے پاس نہ تو بھاری توپ خانہ ہے نہ ہی ٹینکس ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اُسے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ فلسطین کے پاس اسرائیل جیسی فوجی صلاحیتیں نہیں ہیں جبکہ دوسری جانب اسرائیل کے پاس ایک باقاعدہ فوج کے ساتھ ساتھ ٹینکس، بکتر بند گاڑیاں (Armored Vehicles) اور بھاری توپ خانے (Heavy Artilery) سمیت فوجی ساز و سامان کی ایک وسیع رینج موجود ہے۔

سوال کے سوال ذہن میں آرہے ہیں کہ ایک اصطلاح بین الاقوامی اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا میں بہت سننے کو ملتی رہی ہے اور وہ اصطلاح "سیٹلرز" (Settlers) کی ہے تو ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ سیٹلرز (Settlers) کے معنی کیا ہیں اور یہ اصطلاح اس خطہ میں کن لوگوں کیلئے استعمال کی جاتی ہے؟ تحقیق کے مطابق سیٹلرز کے معنی "آبادکار" کے ہیں اور آبادکاری اصطلاح اُن اسرائیلی شہریوں کیلئے استعمال ہوتی ہے جنہیں مشرقی یروشلم سمیت مغربی کنارے (West Bank) کے مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں کمیونیٹیز کے نام پر قائم کی گئی ناجائز بستیوں میں لاکر آباد کیا گیا۔ یہ برسوں سے آباد فلسطینیوں کے وہ علاقے تھے جہاں سے فلسطینیوں کو طاقت کے ذریعے بے دخل کیا گیا تھا۔ یہودی آبادکاروں کی یہ بستیاں بین الاقوامی قوانین کے تحت غیر قانونی تصور کی جاتی ہیں۔

لکھتے لکھتے ایک اور سوال ذہن میں آیا کہ اسرائیلی افواج نے کتنی بڑی تعداد میں فلسطینیوں کو طاقت کے زور پر جبری طور پر ان کے علاقوں پر قبضہ کرکے انہیں ان کے بنے بسائے گھروں سے بے دخل کیا؟ تحقیق کے جواب میں جو کچھ ملا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیل۔ فلسطین تنازعہ کے نتیجے میں گزشتہ 75 برسوں میں فلسطینیوں کو بہت ہی بڑی تعداد میں نقل مکانی پر مجبور کیا گیا۔ فلسطینیوں کی ان کی برسوں سے آباد بستیوں سے جبری بے دخلی کا سلسلہ 14، مئی 1948ء کو ریاست اسرائیل کے قیام کے بعد سے ہی شروع نہیں ہوا بلکہ فلسطینیوں کی جبری بیدخلی کا یہ سلسلہ 1917ء سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ 2، نومبر 1917ء کو برطانیہ کے سیکریٹری خارجہ آرتھر بالفور (Arthur Balfour) نے برطانیہ میں یہودی کمیونٹی کے بااثر رہنما لارڈ

روتھشائلڈ (Lord Rothschild) کو جنگِ عظیم اول کے اختتام سے ایک سال قبل ایک خط لکھا تھا۔ اس وقت سلطنتِ برطانیہ کے بادشاہ جارج پنجم تھے جن کا پورا نام George Frederick Ernest Albert تھا، جبکہ جنگِ عظیم اول 11 نومبر 1918ء کو ختم ہوئی تھی۔ اس وقت سلطنتِ برطانیہ نے سلطنتِ عثمانیہ کے ترک قبائل کو شکست سے دوچار کر کے فلسطین پر قبضہ کر لیا تھا۔ آرتھر بالفور (Arthur Balfour) نے لارڈ روتھشائلڈ (Lord Rothschild) کے نام اپنے خط میں دنیا بھر میں مقیم یہودیوں کیلئے فلسطین میں "قومی گھر" تعمیر کرنے کی تجویز دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "برطانوی حکومت کی جانب سے میں، آپ کو صیہونی یہودیوں کی حمایت میں یہ بیان بھجوا رہا ہوں جو کابینہ کے سامنے رکھا گیا اور اس کی منظوری دی گئی"۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ فلسطین کے عوام کو اُن کے قدیم وطن سے جبری بیدخل کر دیا جائے اور وہاں یہودی کمیونٹی کو بسایا جائے۔

فلسطین پر سلطنتِ برطانیہ کے قبضے کے بعد لیگ آف نیشنز (League of Nations) نے 1920ء میں برٹش مینڈیٹ کے تحت سلطنتِ برطانیہ کو فلسطین کا مکمل کنٹرول سنبھالنے کی باقاعدہ اجازت دے دی۔ 1920ء سے 1948ء تک یعنی 28 برسوں تک فلسطین پر برطانیہ کا مکمل قبضہ رہا اور اس عرصے کے دوران فلسطین کے مقبوضہ علاقوں سے فلسطینی عوام کو اُن کی قدیم بستیوں سے نہ صرف جبری بیدخل کیا جاتا رہا بلکہ "آبادکاری" اور اسرائیلی ریاست کے قیام کے منصوبے کے تحت دنیا بھر کے یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا تھا۔

1920ء سے 1948ء تک یعنی 28 برسوں میں برطانوی سلطنت کے اس دورانیہ میں یہودیوں کی آبادکاریوں میں اور زیادہ اضافہ اس لئے بھی ہونے لگا کہ برطانیہ کو "برٹش مینڈیٹ" کے تحت لیگ آف نیشنز (League of Nations) نے پورے خطہ عرب کو کنٹرول کرنے کا اختیار دے دیا تھا۔

برٹش مینڈیٹ......(British Mandate)

The British mandate refers to a legal arrangement by the League of Nations (later known as the United Nations) in the aftermath of First World War, it granted Britain the administration and control over territories in the Middle East, which were previously part of the defeated Ottoman Empire. These territories included Palestine (which later became Israel and Palestine territories), Trans Jordan (which later became Jordan) and Iraq. The British Mandate aimed to establish a temporary rule and facilitate the development of self-governance in these territories.

نکبہ 1948......(Nakba 1948)

1948ء کی عرب۔اسرائیل جنگ (جسے آزادی کی جنگ بھی کہا جاتا ہے) کے دوران لاکھوں فلسطینی بے گھر ہو گئے تھے۔ یہ جنگ اسرائیل کی ریاست کے قیام کے بعد ہوئی۔ اس جنگ کے دوران لاکھوں کی تعداد میں فلسطینیوں کی اس نقل مکانی کو فلسطینی عوام "نکبہ"(Nakba) کہتے ہیں۔ "نکبہ"(Nakba) عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب "تباہی"(Catastrophe) ہے۔ اس نکبہ (Nakba) کے بعد اسرائیل مزید فلسطینی علاقوں پر آہستہ آہستہ حملے کر کے وہاں قبضے کرتا رہا اور وہاں یہودیوں کی آبادکاری بھی کرتا رہا جس کی وجہ سے مزید لاکھوں فلسطینیوں کو نقل مکانی کرنی پڑی۔ فلسطینیوں کی اس جبری بیدخلی کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

سوئز کینال کا مختصر تاریخی جائزہ......(A brief history of The Suez Canal)

1956ء کا سوئز کینال بحران(Suez Canal Crisis) ایک بہت بڑا بین الاقوامی واقعہ تھا جس

اس سے پہلے کہ میں 1956ء کے سوئز بحران کی تفصیلات پر روشنی ڈالوں، ہم سوئز کینال کی تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین سوئز کینال کی تاریخ اور اس کی جغرافیائی اہمیت سے آگاہ ہو سکیں۔

نہر سوئز یا سوئز کینال ایک اہم آبی گزرگاہ ہے۔ نہر سوئز جہاں واقع ہے وہ علاقہ صدیوں سے مصر (Egypt) کا حصہ رہا ہے۔ 1517ء تک مصر پر سلطنتِ مملوک کی حکومت تھی۔ 1517ء میں سلطنتِ عثمانیہ کی افواج نے سلطنتِ مملوک کو شکست دے کر مصر پر قبضہ کرلیا اور مصر کو سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بنالیا۔ 1882ء میں سلطنتِ برطانیہ نے مصر پر قبضہ کر کے اسے اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ مصر پر سلطنتِ برطانیہ کا کنٹرول 1952ء تک برقرار رہا۔ 23 جولائی 1952ء کو مصر نے برطانوی سلطنت سے آزادی حاصل کی۔

اس بات کو مزید سمجھنے کی ضرورت ہے کہ چاہے سلطنتِ مملوک ہو، سلطنتِ عثمانیہ ہو یا سلطنتِ برطانیہ کی حکومت ہو، نہر سوئز کا خطہ ہمیشہ سے مصر کے جغرافیے میں شامل رہا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ نہر سوئز خطہ مصر سے منسلک رہی یا اس کا حصہ رہی۔ یہ گزرگاہ انگریزوں کے ساتھ ساتھ فرانسیسیوں کے کنٹرول میں بھی رہی۔ نہر سوئز مصر کے لئے انتہائی اہمیت رکھنے والی نہر ہے۔ اس نہر سوئز کی اہمیت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ سوئز کینال بحیرہ روم (Mediterranean Sea) کو بحیرہ احمر (Red Sea) سے ملانے والی نہر ہے جو یورپ اور ایشیاء کے درمیان سمندری تجارت کے لئے ایک شارٹ کٹ فراہم کرتی ہے۔ یہ نہر بین الاقوامی تجارت اور نقل وحمل کیلئے اہم آبی گزرگاہ تھی۔ نہر سوئز سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے مالا مال نہر بھی قرار دی جاتی ہے۔ انہی اسباب کے تحت نہر سوئز (Suez Canal) دنیا بھر کی سلطنتوں اور موجودہ زمانے کے چند ترقی یافتہ اور امیر ترین ممالک کی خصوصی توجہ کا مرکز رہی۔

سوئز کینال بحران..... (The Suez Canal Crisis)

سوئز کینال بحران اس وقت پیش آیا جب سلطنتِ برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے نہر سوئز کو قومیا لیا یعنی اسے Nationalized کرلیا۔ سوئز کینال کے قومیائے جانے کے اس اقدام کے جواب میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے ایک خفیہ اتحاد قائم کیا۔ اس خفیہ اتحاد کا مقصد نہر سوئز پر

دوبارہ کنٹرول حاصل کرنا اور صدر جمال عبدالناصر کو اقتدار سے ہٹانا تھا۔ اسی مقصد کے تحت اکتوبر 1956ء میں اسرائیل نے برطانیہ اور فرانس کے تعاون سے مصر پر زبردست حملہ کردیا۔ تاہم برطانیہ، فرانس اور اسرائیل پر مشتمل اس اتحاد کے ان اقدامات کی بین الاقوامی سطح پر شدید مذمت ہوئی خاص طور پر امریکہ اور سوویت یونین کی طرف سے شدید احتجاج پر اقوام متحدہ نے سوئز کینال بحران کے معاملے پر مداخلت کی اور فوری طور پر جنگ بندی کا مطالبہ کیا۔ اس عالمی دباؤ کے نتیجے میں برطانوی، فرانسیسی اور اسرائیلی افواج کو علاقے سے نکلنا پڑا۔ تین رکنی اتحادی افواج کے انخلاء کے نتیجے میں اس سوئز کینال بحران نے مشرقِ وسطیٰ میں طاقت کا توازن اس طرح بدلا کہ اس خطے پر برطانوی اور فرانسیسی اثرورسوخ کم ہوا جبکہ بڑے کھلاڑیوں امریکہ اور سوویت یونین کے اثرورسوخ میں اضافہ ہوا۔

1956ء کے سوئز بحران کے بعد اسرائیل نے کئی ایسے علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا جو پہلے عرب ممالک اور فلسطین کے زیرِ کنٹرول تھے۔ خاص طور پر اسرائیل نے جزیرہ نما سینائی پر قبضہ کرلیا جو مصر کے کنٹرول میں تھا اور غزہ کا علاقہ جو اس وقت مصر کے زیرِ انتظام تھا۔ اسرائیل نے مشرقی یروشلم سمیت مغربی کنارے پر بھی قبضہ کرلیا جو جنگ سے قبل اردن کے کنٹرول میں تھا۔ یہ قابلِ غور بات ہے کہ خطے کی صورتحال وقت کے ساتھ ساتھ بدلی ہے اور اس کے بعد تنازعات اور علاقائی کنٹرول میں تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں اس خطے کے نقشے میں آہستہ آہستہ ریاست اسرائیل کا رقبہ مزید سے مزید تر بڑھتا رہا جبکہ فلسطین کا وہ رقبہ جو اسرائیلی ریاست کے قیام سے پہلے تھا وہ رقبہ کم سے کم تر ہوتا رہا۔

بحیرہ احمر ...... (Red Sea)

1967ء کی عرب۔ اسرائیل جنگ کی تفصیلات پر روشنی ڈالنے سے پہلے میں ان وجوہات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو 1967ء میں عرب۔ اسرائیل جنگ کا سبب بنیں۔

نئی نسل کے نوجوانوں، طلباء و طالبات اور قارئین کو بتاتا چلوں کہ بحیرہ احمر (Red Sea) کے کہتے ہیں۔ بحیرہ احمر افریقہ اور ایشیاء کے براعظموں کے درمیان واقع پانی کا ایک جسم ہے۔ یہ اپنے جنوبی سرے پر

بحیرہ روم سے جڑا ہوا ہے اور اس کی سرحدیں مصر، سوڈان، سعودی عرب، یمن اور اردن جیسے ممالک سے ملتی ہیں۔

آبنائے تیران کی ناکہ بندی ..... مئی 1967ء:

(Blockade of the straits of Tiran in May 1967)

آبنائے تیران بحیرہ احمر (Red Sea) میں واقع پانی کا ایک تنگ راستہ ہے جسے "آبنائے تیران" کہتے ہیں۔ مزید وضاحت یہ کہ اس علاقے، خاص طور پر جزیرہ نما سینائی (Sinai Peninsula) اور جزیرہ تیران (The Tiran Island) کے درمیان کے علاقے کو "آبنائے تیران" کہتے ہیں اور یہ وہ سمندری راستہ ہے جو خلیج عقبہ (The Gulf of Aqaba) کو بحیرہ احمر سے ملاتا ہے۔ اسرائیل اپنی جہاز رانی کے لئے آبنائے تیران کو استعمال کرتا تھا۔

ہوا یوں کہ ماہ مئی 1967ء میں مصر (Egypt) نے آبنائے تیران کو اسرائیلی جہاز رانی کیلئے بند کر دیا۔ اس ناکہ بندی کو اسرائیل نے اپنی سلامتی کیلئے خطرہ سمجھا چنانچہ اسرائیل نے آبنائے تیران کی ناکہ بندی کے خاتمے کے لئے اپنی افواج کو متحرک کرنا شروع کر دیا اور یوں اس تنازعے کے نتیجے میں آبنائے تیران کی ناکہ بندی 1967ء کی عرب-اسرائیل جنگ کا سبب بنی۔ اس جنگ کو "1967ء کی جنگ" بھی کہا جاتا ہے جو اسرائیل اور عرب ریاستوں کے اس اتحاد کے درمیان ہوئی جس میں مصر، اردن اور شام سمیت دیگر عرب ریاستیں شامل تھیں۔

عرب-اسرائیل جنگ جون 1967ء-----(Arab-Israel War: June 1967)

1948ء میں اسرائیل کی باقاعدہ ریاست کے قیام کے بعد اسرائیل اور عرب ریاستوں کے درمیان تناؤ میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا۔ بالآخر 1967ء میں اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان ایک ایسی جنگ ہوئی جس نے مشرق وسطی کا علاقائی نقشہ تبدیل کر دیا اور جو آج تک اسرائیل اور مشرق وسطی کے ممالک کے درمیان علاقائی تنازعے اور کشیدگی کا اہم سبب ہے۔

1967ء کی عرب۔ اسرائیل جنگ کا آغاز 5، جون 1967ء کو ہوا اور یہ جنگ 10، جون 1967ء تک چھ روز تک جاری رہی۔اس مناسبت سے اس جنگ کو "چھ روزہ جنگ" بھی کہا جاتا ہے۔ 1967ء کی اس چھ روزہ جنگ میں ایک طرف اسرائیل تھا اور دوسری طرف مصر، اردن، شام اور دیگر عرب ممالک تھے۔ اسرائیل ان تمام عرب ممالک کے خلاف اکیلا لڑ رہا تھا۔ اس جنگ میں بالآخر اسرائیل، عرب ممالک کے خلاف فاتح بن کر ابھرا اور اس جنگ میں اسرائیل نے بہت ساری فوجی کامیابیاں حاصل کیں اور ساتھ ساتھ علاقائی فوائد بھی حاصل کیے۔ اسرائیل نے مصر سے جزیرہ نما سینائی (Sinai Peninsula) اور غزہ کی پٹی (Gaza strip)، اردن سے مغربی علاقے (West Bank) مشرقی یروشلم (East Jerusalem) اور شام سے گولان کی پہاڑیوں (Golan Heights) کے علاقوں کو فتح کرکے ان پر قبضہ کرلیا۔ تاہم ان مقبوضہ علاقوں میں سے اسرائیل نے 2005ء میں غزہ کی پٹی سے دستبرداری اختیار کرلی تھی۔

یہودی (Jews) اور صیہونی (Zionist) میں کیا فرق ہے؟

(Difference between Jews and Zionist)

یہودی......(Jews)

یہودی (Jews) وہ افراد ہوتے ہیں جو یہودی مذہب، ثقافت یا نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہودی پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ یہودیت (Judaism) دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک قدیم مذہب ہے جو ایک خدا (اللہ) پر یقین رکھتے ہیں۔

صیہونی......(Zionist)

صیہونی (Zionist) اُن یہودیوں کو کہتے ہیں جو صیہونی نظریہ یا صیہونیت (Zionism) پر یقین رکھتے ہیں۔ جبکہ یہودی (Jews) اور صیہونی (Zionist) دونوں ہی گروپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہیں اور مقدس کتاب توریت (Tora) پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن Zionist یہودیوں کیلئے ایک علیحدہ وطن کا قیام

چاہتے تھے جو بن بھی چکا ہے اور اب اس میں مزید وسعت چاہتے ہیں۔ اسی توسیع پسندانہ سوچ بھی رکھتے ہیں اور اسی توسیع پسندانہ سوچ کو صیہونیت (Zionism) کہا جاتا ہے۔

صیہونی تحریک ...... (Zionist Movement)

صیہونیت (Zionism) کیا ہے۔ اس کو میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ صیہونی تحریک (Zionist Movement) ایک منظم قوم پرست سیاسی تحریک ہے جس کا مقصد "فلسطین" کے قدیم خطے یعنی علاقے میں ایک علیحدہ یہودی وطن کا قیام اور اس کا تحفظ کرنا ہے۔ صیہونی تحریک کا قیام 19 ویں صدی کے اواخر میں 1897ء میں عمل میں آیا تھا اور اس تحریک کی بنیاد تھیوڈور ہرزل (Theodor Herzl) نے رکھی تھی تھیوڈور ہرزل ایک Austro-Hungarian یہودی سیاسی رہنما اور صحافی تھے جو مغربی یورپ کی سلطنت آسٹریا کے شہر بڈاپسٹ (Budapest) کے قصبے "پیسٹ" (Pest) کے ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔

تھیوڈور ہرزل نے 1896ء میں Der Judenstaat یہودیوں کی ریاست یعنی (Jewish State) کے نام سے ایک مشہور پمفلٹ جاری کیا جس کے ذریعے اس نے ایک علیحدہ یہودی وطن کا نظریہ پیش کیا جو دنیا بھر میں آباد یہودیوں میں بہت مقبول ہوا۔ اگست 1897ء میں تھیوڈور ہرزل نے سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل (Basel) میں صیہونی تحریک (Zionist Movement) کی پہلی کانگریس منعقد کی جس میں مختلف ممالک سے یہودیوں نے شرکت کی۔ اس طرح یہاں سے یہودیوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کے قیام کے لئے ایک باقاعدہ صیہونی تحریک کا آغاز ہوگیا اور تھیوڈور ہرزل اس قوم پرست صیہونی تحریک کا پہلا صدر مقرر ہوا۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ (Jewish) یعنی یہودیوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں ہونے والے ظلم و ستم اور تشدد سے نجات دلائی جائے اور یہودیوں کے لئے ایک اپنی علیحدہ اور مستقل ریاست قائم کی جائے جو ترجیحی طور پر فلسطین کی زمین پر قائم ہو۔

اگرچہ فلسطین کے قدیم علاقے میں ایک علیحدہ یہودی ریاست کے قیام کی کوششیں صیہونی تحریک

کے قیام سے پہلے سے جاری تھیں لیکن 1897ء میں صیہونی تحریک (Zionist Movement) کے قیام کے بعد فلسطینی علاقے میں یہودی وطن کے قیام کی کوششیں اور زیادہ تیز ہو گئیں۔

اگرچہ صیہونی تحریک کو دنیا بھر میں رہنے والے بہت سے یہودیوں کی جانب سے یہودیوں کے ایک علیحدہ وطن بنانے کی حمایت حاصل ہے لیکن تمام کے تمام یہودی صیہونیت (Zionism) کے تصور کے حامی نہیں ہیں یعنی تمام کے تمام یہودی صیہونی تحریک کی حمایت نہیں کرتے۔

نئی نسل کے نوجوانوں، طلباء وطالبات اور قارئین کرام!

آپ سب ہی یقیناً اسرائیل اور فلسطین تنازعے کی تازہ ترین صورتحال سے واقف ہوں گے جس کی وجہ سے پوری دنیا میں فلسطین کے حق میں چھوٹے بڑے مظاہرے ہو رہے ہیں ان مظاہروں میں دنیا بھر میں رہنے والے یہودی افراد بھی شریک ہو رہے ہیں۔ یہ وہ یہودی ہیں جو صیہونیت (Zionism) کے خلاف ہیں جبکہ وہ یہودی جو اسرائیل کی حمایت کر رہے ہیں وہ صیہونیت (Zionism) کے حامی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری اوپر بیان کردہ باتوں کو پڑھ کر یہودی افراد اور صیہونی یہودیوں کے درمیان جو فرق ہے اسے آپ تمام قارئین اچھی طرح سمجھ چکے ہوں گے۔

قارئین کرام!

اب میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہوں گا کہ آپ جب میرے اس تحقیقی مقالے کو پڑھیں گے تو بہت سی اصطلاحات (Terminologies) اگر آپ کی سمجھ میں نہ آئیں تو آپ براہ کرم گوگل، وکی پیڈیا یا پھر کسی لائبریری میں جا کر تاریخ کی کتابوں سے رجوع کر لیں تو پھر جو اصطلاح (Terminology) آپ کی سمجھ میں نہیں آئی ہے اسے سمجھنے میں آپ کو آسانی ہوگی۔ اس سے پہلے کہ میں آپ سے اب تک کی تحریر میں بیان کردہ باتوں کو مزید پڑھنے کی درخواست کروں، میں کچھ اور باتوں کو مختصر طور پر دوبارہ دہرانا چاہوں گا۔ وہ باتیں آپ کو شاید دوبارہ لگیں مگر ان کا دہرانا میری تحریر کردہ باتوں کو سمجھنے کیلئے معاون و مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

یہ سمجھنا ہر قاری کیلئے ان باتوں کی مزید تحقیق کرنے میں شاید معاون و مددگار ثابت ہو لہٰذا میں انہیں دہرانا یعنی Revision کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس کیلئے درج ذیل باتوں کو غور سے پڑھنا اور سمجھنا ہوگا مثلاً 1917ء میں فلسطین کا رقبہ کتنے اسکوائر کلو میٹر پر مشتمل تھا، اس کو جاننے کیلئے آپ کو گوگل، وکی پیڈیا یا (AI) یعنی مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) سے رجوع کرنا ہوگا۔

1917ء کے بعد جب 1918ء میں سلطنت عثمانیہ (Ottoman Empire) کا خاتمہ ہوا تو فلسطین کا کنٹرول سلطنت برطانیہ نے سنبھال لیا تھا تو سلطنت برطانیہ نے 1922ء کے اوائل تک فلسطین کے کتنے رقبے پر یہودیوں کو مزید بسایا یا فلسطین کے مزید کتنے علاقوں پر طاقت کے ذریعے قبضہ کرکے سلطنت برطانیہ نے وہاں مزید یہودیوں کو آباد کیا یا ان کی آبادکاریاں کرائیں؟ اس بارے میں معلومات کے لئے بھی آپ کو "Google" یا "Wikipedia" سے رجوع کرنا ہوگا اور صرف اس میں بیان کردہ تحریری نوٹس پڑھنا ہوگا بلکہ مزید وضاحت کے ساتھ سمجھنے کیلئے متعلقہ نقشہ جات کو بھی دیکھنا ہوگا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ لیگ آف نیشنز مینڈیٹ (League of Nations Mandate) کے تحت سلطنت برطانیہ کے فلسطین پر قبضے کو جائز قرار دینے کیلئے ایک لیگل راستہ 14 جولائی 1922ء کو دے دیا گیا جو 14 مئی 1948ء تک برقرار رہا اور اسی دن یعنی 14 مئی 1948ء کو فلسطین کے علاقے پر ایک آزاد اسرائیلی ریاست قائم کردی گئی۔

قارئین کرام!

اب آپ اس بات کی بھی تحقیق ضرور کریں کہ 1918ء سے 14 مئی 1948ء تک فلسطین کے کتنے مزید علاقوں پر قبضہ کرکے وہاں آبادکار (Settlers) کے نام پر یہودیوں کی آبادکاریاں کی گئیں۔ اس کو جاننے کیلئے گوگل پر نقشے دیکھئے۔ میں یہاں صرف یہ بتانا چاہوں گا کہ 1918ء میں فلسطین میں یہودیوں کی آبادی محض 6 فیصد تھی جو 1947ء میں بڑھ کر 33 فیصد ہوگئی تھی۔ اسرائیل کی ریاست جو 14 مئی 1948ء کو قائم ہوئی تو پھر عرب اسرائیل جنگیں ہوئیں جن میں اسرائیلی افواج نے تاریخی فلسطین کے 78 فیصد حصے پر قبضہ کرلیا تھا۔

1967ء کی چھ روزہ جنگ کے دوران اسرائیل نے تقریباً تمام تاریخی فلسطین پر قبضہ کرلیا جس کی وجہ سے مزید 3 لاکھ (300,000) فلسطینیوں کو جبری بیدخل کردیا گیا جبکہ اس سے پہلے 1948ء میں ریاست اسرائیل کے قیام کے بعد 7 لاکھ 50 ہزار (750,000) سے لیکر 9 لاکھ (900,000) فلسطینی مردوں، عورتوں اور بچوں کو ان کے آبائی وطن سے بیدخل کیا گیا تھا اور وہاں یا تو یہودیوں کو آباد کیا گیا یا باقی علاقوں کو مسمار کردیا گیا۔

قارئین کرام!

اب ہم آگے بڑھتے ہیں۔ میں نے اپنے اس تحریر کردہ مقالے میں اسرائیل۔ فلسطین تنازعے کے بارے میں یہ بتایا تھا کہ اسرائیل کی ریاست قائم ہوجانے کے بعد اسرائیل، فلسطین اور عرب ریاستوں کے درمیان چھوٹی بڑی جنگیں ہوتی رہیں۔ آیئے اب ہم ان کا ایک مرتبہ پھر سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

14 مئی 1948ء سے 1982ء کے درمیان یہ تنازعات اسی طرح چلتے رہے اور چھوٹی بڑی جنگیں بھی ہوتی رہیں۔ 1948ء میں اسرائیلی ریاست قائم ہونے کے فوری بعد جو جنگیں ہوئیں ان بڑی جنگوں میں 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ، 1956ء میں سوئز کینال کا بحران، 1967ء میں چھ روزہ جنگ، 1967ء سے 1970ء تک جنگ بندی کیلئے جنگ، 1973ء میں یوم کپور جنگ اور 1982ء میں اسرائیل۔ لبنان جنگ شامل ہے۔ جبکہ ان بڑی جنگوں کے علاوہ کئی مزید چھوٹی جھڑپیں بھی چلتی رہیں۔

قارئین کرام!

اب میں آپ کے سامنے کچھ مزید تاریخی حقائق رکھنا چاہتا ہوں تاکہ آپ ان کی تصدیق اور مزید معلومات حاصل کرنے کیلئے گوگل، وکی پیڈیا یا مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) سے رجوع کرسکیں۔

تاریخی اوسلو معاہدہ ...... (Historical Oslo Accord)

اوسلو معاہدہ، جسے امن معاہدہ بھی کہا جاتا ہے جو 1990ء کی دہائی کے اوائل میں اسرائیل اور فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (PLO) کے درمیان طے پانے والے تاریخی معاہدوں کا ایک سلسلہ ہے۔

ان معاہدوں کا ایک "مقصد" اسرائیل۔ فلسطین تنازعے کے درمیان امن مذاکرات کیلئے ایک فریم ورک تیار کرنا تھا جبکہ دوسرا "مقصد" اسرائیل اور فلسطین تنازعے کے حل کیلئے ایک روڈ میپ بھی قائم کرنا تھا۔ یعنی امن مذاکرات کو جاری رکھنے کیلئے ایک فریم ورک اور ان کے حل کیلئے ایک روڈ میپ بھی تیار کرنا تھا۔

فلسطین اور اسرائیل کے درمیان اس معاہدے کے سلسلے میں مذاکرات کا آغاز ناروے (Norway) کے دارالحکومت اوسلو (Oslo) میں کیا گیا تھا اور ان مذاکرات کا اختتام 20 اگست 1993ء کو ہوا تھا۔ اوسلو میں اس ابتدائی معاہدے کے روڈ میپ پر اتفاق کے بعد فلسطین اور اسرائیل کے نمائندوں نے امریکی اور روسی وزرائے خارجہ کی موجودگی میں دستخط کئے۔

اس تاریخی اوسلو معاہدے پر باقاعدہ دستخط 13 ستمبر 1993ء کو امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی میں اس وقت کے امریکی صدر بل کلنٹن کی موجودگی میں کیے گئے۔ اس معاہدے پر فلسطین کی جانب سے فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کے چیئرمین یاسر عرفات (Yasser Arafat) اور اسرائیل کی جانب سے اسرائیلی وزیراعظم اسحاق رابن (Yitzhak Rabin) نے دستخط کیے تھے۔

اوسلو معاہدہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ ایک کو "اصولوں کا اعلان" (Declaration of Principles-DoP) کہا گیا جبکہ اس کے بعد کا دوسرا معاہدہ "عبوری معاہدہ" (Interim Accord) قرار پایا جسے Oslo Accord 2 بھی کہتے ہیں۔

اصولوں کے اعلان (Declaration of Principles-DoP) کے مطابق اسرائیل فلسطین تنازعے کے حل اور خطے میں مستقل امن کے حصول کیلئے ایک لائحہ عمل کا خاکہ پیش کیا گیا تھا جس میں مغربی کنارے (West Bank) اور غزہ کی پٹی (Gaza Strip) میں ایک عبوری خودمختار ادارے کے طور پر فلسطینی اتھارٹی کا قیام شامل تھا۔

عبوری معاہدہ یا Oslo Accord 2 پر 1995ء میں مصر کے ٹاؤن طابا (Taba) میں دستخط کیے گئے جس کے تحت یہ طے پایا گیا تھا کہ فلسطین کے وہ علاقے یعنی مغربی کنارے اور غزہ کے کچھ حصوں میں جہاں اسرائیل نے قبضہ کر لیا تھا وہاں سے اسرائیلی افواج کے انخلاء اور ان علاقوں میں فلسطینی خود مختاری کے قیام اور پی ایل او (PLO) کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنے جیسے مسائل پر توجہ مبذول کرائی گئی تھی۔

اگرچہ اوسلو معاہدے کو امن کی جانب ایک اہم قدم کے طور پر دیکھا گیا اور اس معاہدے کی رو سے پانچ سال کے لئے عبوری انتظام پر اتفاق کیا گیا تھا اور اس پانچ سالہ عبوری انتظام کے دور میں اس تنازعے کے اہم امور طے کرنے کے لئے مئی 1996ء تک حتمی مذاکرات ہونے تھے لیکن اس تنازعے کا حتمی حل آج تک ایک پیچیدہ مسئلہ بنا ہوا ہے۔

یہ بھی ایک لمحہ فکریہ ہے کہ جن رہنماؤں نے تاریخی اوسلو معاہدے کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کیا اور اس پر دستخط کئے ان میں سے اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن کو 4، نومبر 1995ء کو اوسلو معاہدے کی حمایت میں نکلنے والی ریلی کے اختتام پر گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا جبکہ فلسطینیوں کے رہنما اور فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (PLO) کے چیئرمین یاسر عرفات کو Radioactive metal پولونیم (Polonium) کا زہر دیا گیا جس کی وجہ سے ان کی طبیعت ہر گزرتے دن کے ساتھ خراب سے خراب تر ہوتی گئی اور بالآخر انہیں علاج کی غرض سے فرانس کے ایک اسپتال میں داخل کروا دیا گیا جہاں وہ 11، نومبر 2004ء کو انتقال کر گئے۔

اسرائیل پر حماس کا راکٹ اٹیکس۔ 7، اکتوبر 2023ء

(Rocket Attacks on Israel by Hammas: 7th October 2023)

7، اکتوبر 2023ء کو حماس نے اسرائیل پر راکٹ اٹیکس کیے جس کے نتیجے میں اسرائیل کے فوجیوں سمیت 13 سو سے زائد مرد، خواتین اور معصوم بچے ہلاک اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ اس کے علاوہ بہت سے مکانات، چھوٹی بڑی عمارتوں سمیت دیگر اثاثہ جات تباہ ہوئے۔ دنیا بھر کے تمام ہی ممالک نے ان حملوں کی نہ صرف مذمت کی بلکہ متاثرہ اسرائیلی عوام سے دلی تعزیت اور اظہار ہمدردی بھی کیا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ

حماس کے اِس اقدام کو دنیا کی بڑی اکثریت نے پسند نہیں کیا اور ایک بڑی اکثریت نے حماس کے اس حملے کی شدید مخالفت کی اور اس کے خلاف احتجاج بھی کیا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حماس نے ہزاروں راکٹس اور پیرا گلائیڈرز (Para gliders) کہاں اور کس ملک سے حاصل کیے؟ ساتھ ساتھ مجھ سمیت ہر فرد یہ بھی سوچ رہا ہے کہ حماس نے راکٹ اٹیکس کرنے سے پہلے یہ بھی کیوں نہیں سوچا کہ اسرائیل پر اٹیکس کرنے کے بعد اُس کا پلان دوئم (B) اور پلان سوئم (C) کیا ہوگا؟ اور حماس اور اس کے ساتھیوں نے یہ بھی کیوں نہیں سوچا کہ اسرائیل پر ان کے حملوں کے جواب میں اسرائیل کی فوجی کارروائیاں کیا کیا اور کس کس طرح کی ہوں گی جن کا خمیازہ معصوم و نہتے فلسطینی عوام کو کس کس طرح بھگتنا پڑ سکتا ہے۔

اسرائیل جس نے پہلے ہی فلسطین کے تقریباً تمام ہی علاقوں پر یا یوں کہیے کہ 90 فیصد سے زائد رقبے پر وقتے وقتے سے بھاری ہتھیاروں، ٹینکوں اور فضائیہ سے حملے کر کے قبضہ کر لیا تھا جو یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اسرائیل کو فلسطین پر ہر طرح سے جنگی برتری حاصل رہی ہے۔ اس کے علاوہ اسرائیل کو پوری دنیا کے بڑے، امیر اور طاقتور ترین ممالک کی ہر طرح کی حمایت حاصل رہی ہے۔ اس حمایت میں صرف سفارتی حمایت ہی شامل نہیں تھی بلکہ ہر طرح کی عسکری ساز و سامان کی مدد بھی شامل رہی جن میں جنگی بحری جہازوں، دُور تک مار کرنے والے میزائلز، جدید ترین بندوقیں اور دیگر ہتھیار شامل ہیں۔

اِس امر سے ہر شخص واقف ہے کہ اسرائیل کو جن بڑے، امیر اور طاقتور ترین ممالک کی مکمل اور ہر قسم کی سپورٹ حاصل رہی ہے اُن ممالک میں امریکہ، برطانیہ سمیت تقریباً تمام مغربی ممالک شامل ہیں جبکہ فلسطین کو اس طرح کی سپورٹ کسی بھی ملک کی حاصل نہیں تھی۔ جہاں تک اسلامی ممالک کا تعلق ہے تو وہ سلطنت برطانیہ کے قبضے سے آزادی حاصل کرنے کے بعد سے ہی امریکہ، برطانیہ اور مغربی ممالک کی حمایت و دیگر عسکری ساز و سامان کے دست نگر (محتاج) رہے ہیں اور آج تک ہیں۔ مزید یہ کہ اس امر سے بھی ہر خاص و عام واقف ہے کہ کوئی بھی اسلامی ملک آج جدید ترین عسکری (فوجی) ساز و سامان بنانے سے قاصر ہے۔ اب لوگ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ پاکستان نے تو ایٹم بم بنالیا ہے تو قارئین کرام کو میں بتانا چاہوں گا کہ پاکستان نے جو ایٹم بم

اور میزائلز بناتے ہیں، اُن کو بنانے کے لئے جن معدنیات (Minerals)، جدید ترین ٹیکنولوجیکل آلات (Technological Instruments)، Metals اور کیمیائی مواد کی ضرورت ہوتی ہے، وہ پاکستان خود نہیں بناتا بلکہ پاکستان وہ تمام چیزیں امریکہ، برطانیہ یا مغربی ممالک سے ہی منگواتا ہے۔ یعنی پاکستان میں ابھی یہ صلاحیت موجود ہی نہیں ہے کہ وہ خود سائنسی تحقیق کر کے کوئی نئی چیز تخلیق کر سکے۔ ہاں البتہ بنی بنائی چیزوں کو باہر سے منگوا کر انہیں جوڑ کر کوئی چیز بنانا ہرگز پاکستان کی ایجاد کردہ تخلیق قرار نہیں دی جا سکتی۔

بہرحال بات کہاں سے کہاں بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ہاں تو میں حماس کی جانب سے اسرائیل پر کیے جانے والے راکٹ انجنز بشمول پیرا گلائیڈرز حملوں کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ اب اس موضوع سے جڑی کچھ مزید باتیں سوالات کی شکل میں کرنا چاہوں گا۔ ان باتوں کو آپ کو انتہائی غور سے پڑھنا ہوگا تاکہ نفسِ مضمون سمجھنے میں آسانی ہو۔

میرے اس مقالے کو پڑھنے والے آپ سب لوگ بتائیں کہ کیا کبھی فلسطین کی جانب سے اسرائیل پر اس طرح حملے کیے گئے جس طرح 7، اکتوبر 2023ء کو حماس نے اسرائیل پر کیے؟ آپ سب جانتے ہوں گے کہ فلسطین کی آزادی کی جدوجہد کرنے والا کوئی ایک اور صرف ایک گروپ ہی نہیں ہے بلکہ کئی گروپس ہیں جن کا تذکرہ میں اس تحریر میں پہلے کر چکا ہوں۔ اب یہاں یہ سوال کرنا بھی غیر ضروری نہیں ہوگا کہ فلسطین میں آزادی کیلئے جدوجہد کرنے والے جتنے بھی گروپس موجود ہیں کیا اُن میں سے کسی ایک گروپ نے بھی 7، اکتوبر 2023ء کو حماس کے راکٹ انجنز سے پہلے اسرائیل پر اتنی بڑی تعداد میں راکٹس داغے؟ اگر آپ کا جواب نہیں میں ہے تو پھر میرا یہ سوال کرنا بھی جائز بنتا ہے کہ حماس کے حملے کے جواب میں اسرائیل نے 8، اکتوبر 2023ء سے اسرائیلی قبضے سے محفوظ رہ جانے والے (یعنی اسرائیلی قبضے سے بچ جانے والے) تمام ہی فلسطینی علاقوں پر جو فضائی، بحری اور بری حملے کیے ہیں وہ آج ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود کس طرح اور کیونکر جاری ہیں؟ اسرائیل کے ان حملوں کی وجہ سے 11 ہزار سے زائد فلسطینی مرد، خواتین اور معصوم بچے ہلاک ہوئے اور ایک لاکھ سے زائد زخمی ہوئے اور تادمِ تحریر روزانہ سینکڑوں افراد کی ہلاکتوں اور زخمی ہونے کا سلسلہ جاری ہے۔

اب مزید سوالات ذہن کو جھنجھوڑ رہے ہیں کہ 1948ء میں اسرائیل کی ریاست قائم ہو جانے کے بعد

فلسطین نے کتنی مرتبہ اسرائیل پر فضائی، زمینی اور بحری حملے کیے؟ ـــــ 1948ء سے لیکر آج تک فلسطین نے اسرائیل پر حملے کر کے کتنے اسرائیلی علاقوں پر قبضے کیے؟ اور کتنی بڑی تعداد میں اسرائیلیوں کو ان کے گھروں سے جبراً بیدخل کیا؟ ـــــ کتنی اسرائیلی بستیوں کو مسمار کیا ـــــ؟ فلسطین نے کتنی اسرائیلی بستیوں میں آباد کار (Settlers) کے نام پر فلسطینیوں کی آباد کاریاں کیں؟

اس بات کا بھی سچائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے کہ 1948ء کے بعد سے لیکر آج تک اسرائیل اور فلسطین کے درمیان جتنی چھوٹی بڑی جنگیں ہوئیں ان چھوٹی بڑی جنگوں میں کتنے اسرائیلی اور کتنے فلسطینی ہلاک وزخمی ہوئے؟

مزید ایک اور سوال یہ ہے کہ 7، اکتوبر 2023ء کو حماس کے حملے کے بعد اسرائیل نے اب تک جتنے حملے کیے ہیں جو آج تک جبکہ میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں، جاری ہیں جس کی وجہ سے فلسطین کی تازہ ترین صورتحال انتہائی ہولناک ہو چکی ہے، کیا یہ انسانی تاریخ میں ہونے والے بڑے سانحات میں سے ایک اور بڑا انسانی المیہ نہیں؟

آج فلسطین میں ہر طرف تباہی ہے، وہاں ہلاک وزخمی ہونے والے فلسطینیوں کیلئے نہ اسپتال دستیاب ہیں، نہ ہی ادویات ہیں، وہاں نہ پانی ہے، نہ گیس ہے اور نہ ہی بجلی ہے اور نہ ہی کھانے پینے کی اشیاء دستیاب ہیں اور نہ ہی روزمرہ استعمال کی اشیاء دستیاب ہیں ـــــ اور اگر کچھ امدادی ادارے امدادی سامان لیکر وہاں پہنچے بھی تو انہیں متاثرہ علاقوں میں بچ جانے والے فلسطینیوں تک پہنچنے میں کون رکاوٹ بنا ہوا ہے؟ ـــــ انسانیت کے علمبردار کہاں ہیں؟ ـــــ اقوام متحدہ کہاں ہے؟ ـــــ اقوام متحدہ کا انسان کے بنیادی حقوق کا چارٹر کہاں ہے؟ ـــــ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل انٹونیو گوٹیرس (Antonio Guterres) کے احکامات اور اپیلوں پر عمل درآمد کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ ـــــ کیا آج اقوام متحدہ کا وجود خود ایک سوالیہ نشان نہیں بنا ہوا ہے؟ ـــــ آخر عالمی انسانیت کا ضمیر کہاں اور کس جگہ مدفون ہو چکا ہے؟

قارئین کرام!

ہم جنگِ عظیم اول اور دوم کے بعد کیا کچھ سوچتے ہیں لیکن افسوس کہ ہم نے اس سے آج تک کوئی سبق حاصل نہیں کیا، آخر کیوں؟

آخر ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جنگ صرف اور صرف تباہی اور بربادی لاتی ہے۔ جنگ کسی بھی مسئلہ کا حل نہیں ہوتی۔ جنگ کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں انسانیت کی فلاح کی ضامن نہیں ہوتی۔ بار بار کی جنگوں اور انسانی جان و مال کی بربادی کے بجائے ہم اپنے سوئے ہوئے ضمیر کو کیوں نہیں جگاتے؟ ۔۔۔ ہم رنگ، نسل، زبان اور علاقائی تعصب سے آخر کب باہر آئیں گے؟ ۔۔۔ ہم رنگ و نسل کے فرق کو کب مٹائیں گے؟ ۔۔۔ ہم مذہبی بنیادوں پر نفرت سے باہر آ کر مذہبی رواداری کے قیام کیلئے کب آگے بڑھیں گے؟

ان تمام باتوں سے بڑھ کر کوئی اور چیز یا بات ہے تو وہ صرف اور صرف احترامِ انسانیت ہے۔ احترامِ انسانیت کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ ہم احترامِ انسانیت پیدا کرنے کیلئے اپنے ضمیر کے مطابق یہ کیوں نہیں سوچتے کہ آخر ہم کب ہوشمندی کے ساتھ احترامِ انسانیت کیلئے اپنا مثبت کردار ادا کریں گے۔

ماحاصل۔۔۔۔(Out Come)

خلاصہ تحریر، تمام یا ماحصل تحریر ۔۔۔ سچ اور کڑوے سچ کے ساتھ!

اس دنیا بھر میں رہنے والے افراد کی تعداد 1940ء سے لیکر آج 2023ء تک کہاں سے کہاں تک جا پہنچی ہے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1940 ------ Approximately ----- 2.3 Billion

1950 ------ Approximately ----- 2.5 Billion

1960 ------ Approximately ------ 3.0 Billion

1970 ------ Approximately ------ 3.7 Billion

1980 ------ Approximately ------ 4.4 Billion

1990 ------ Approximately ------ 5.3 Billion

2000 ------ Approximately ----- 6.1 Billion

2010 ----- Approximately ------ 6.9 Billion

2020 ----- Approximately ------ 7.8 Billion

2023 ----- Approximately ------ 8.0 Billion

اسی طرح 1940ء میں ممالک کی تعداد میں ہر ایک دہائی کے بڑھنے کے ساتھ 2023 تک مزید کتنے ممالک کا اضافہ ہوا، ملاحظہ کیجئے۔

1940 ------ Approximately ----73

1950 ------ Approximately ----76

1960 ------ Approximately ---- 106

1970 ----- Approximately ---- 130

1980 ----- Approximately ---- 150

1990 ----- Approximately ---- 175

2000 ----- Approximately ---- 192

2010 ----- Approximately ---- 194

2020 ----- Approximately ---- 195

2023 ----- Approximately ---- 195

قارئین کرام!

اب سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوم کے بعد دنیا میں آج 2023ء تک تیسری جنگ عظیم نہیں ہوئی جس کی وجہ سے لاکھوں کروڑوں افراد کے مرنے یا مارنے کا سلسلہ عالمی سطح پر کم

ہوگیا اور تنازعات کے خاتمے کیلئے جنگ وجدل کے بجائے بات چیت کا راستہ اختیار کیا جاتا رہا۔ تمام تر اختلافی تنازعات کا حل افہام وتفہیم سے نکالنے کی کوششوں، تنازعات کے فریقین کا ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کرنے اور تنازعات کا حل جنگوں کے بجائے مذاکرات کے ذریعے نکالنے کے نتیجے میں نئے نئے ممالک کا وجود عمل میں آتا رہا اور اس طرح موجودہ دنیا تیسری جنگ عظیم سے تاحال محفوظ ہے۔

اگر ہم اختلافی تنازعات پر جنگیں اور صرف جنگیں ہی جاری رکھتے اور تنازعات کے فریقین اپنی اپنی ضدوں پر اڑے رہتے اور یہ کہتے کہ تمہارا وجود ہی غلط ہے اور میرا وجود ٹھیک اور درست ہے تو ہم آج تک جنگوں میں ہی اُلجھے اور پھنسے رہتے اور جنگوں کا سلسلہ بھی آج تک اسی طرح جاری رہتا جس طرح گزشتہ 75 برسوں سے اسرائیل اور فلسطین تنازعے میں اُلجھے اور پھنسے ہوئے ہیں اور تاحال چھوٹی بڑی جنگوں میں اُلجھے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے تباہی وبربادی اور انسانی جانوں کے اتلاف کے علاوہ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان موجود تنازعے کا حل نکلتا نظر نہیں آرہا ہے۔ اگر پوری دنیا میں تنازعات کے حل کیلئے بات چیت نہ کرنے اور ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم نہ کرنے کا سلسلہ جاری رہتا تو نئے نئے ممالک دنیا کے نقشے پر ایک آزاد ملک کی حیثیت سے ابھر کر سامنے نہیں آتے۔

اب میں واپس 75 سالوں سے جاری فلسطین۔ اسرائیل تنازعے کی طرف آتا ہوں۔ میں آگے چل کر جو کچھ اپنی سوچ وفکر کے مطابق تحریر کروں گا، وہ تاریخی حقائق کی روشنی میں میری ذاتی سوچ وفکر ہوگی جسے بہت سے قارئین صحیح سمجھیں گے یعنی وہ میری تحریر کردہ باتوں، خیالات اور سوچ وفکر سے اتفاق کریں گے اور بہت سے قارئین اُسے غلط سمجھیں گے یعنی وہ میری تحریر کردہ باتوں، خیالات اور سوچ وفکر سے اختلاف کریں گے۔

میں یہاں اس امر پر زور دینا چاہوں گا کہ خواہ پڑھنے والے میری تحریر کردہ باتوں، خیالات اور فکر وسوچ وفلسفہ سے اتفاق کریں یا اختلاف کریں، میری نظر میں اتفاق اور اختلاف کرنے والوں کا احترام رہے گا کیونکہ سوچ وفکر کے اظہار کی آزادی اگر میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور اُسے اپنا حق سمجھتا ہوں تو پھر میں کس طرح دوسروں کی سوچ وفکر کے اظہار اور اتفاق یا اختلاف کے حق پر پابندی لگانے کا تصور کرسکتا ہوں یا اُن پر پابندی لگانا اپنا حق سمجھ سکتا ہوں؟

قارئین کرام!

میں اپنی اس پوری تحریر میں تاریخی حقائق کی روشنی میں جو بھی تحقیق کر سکا، اس کے مطابق کافی تفصیل کے ساتھ اسرائیل اور فلسطین تنازعے کو تحریر کرنے کی جو کوشش کی ہے، میں اس کوشش میں کتنا کامیاب رہا یا ناکام رہا اس کا فیصلہ تو آپ قارئین کرام ہی بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔

اب میں آگے چل کر پوری کوشش کروں گا کہ اپنی تحریر کو مزید مختصر سے مختصر کر سکوں۔ جیسا کہ میں اپنی بیان کردہ تحریر میں متعدد بار بیان کر چکا ہوں کہ اسرائیل کی آزاد ریاست 1948ء میں قائم ہوئی تھی اسی سال یعنی 1948ء میں عرب۔اسرائیل جنگ شروع ہوئی جو 1949ء میں ختم ہوئی۔

قارئین کرام!

اب آپ اس پر ضرور نہ صرف خصوصی توجہ دیں بلکہ انتہائی غور و فکر بھی کریں کہ اس جنگ کا نتیجہ کیا نکلا۔ عرب اتحاد کو شکست ہوئی اور اسرائیل کو فتح حاصل ہوئی۔ اسرائیل کی اس فتح سے خطے میں ایک اور نئے بحران نے جنم لیا کیونکہ اقوام متحدہ والے جتنا علاقہ اسرائیل کو دیا تھا، اس جنگ کے بعد اسرائیل نے اقوام متحدہ کی جانب سے دیئے گئے اس طے شدہ رقبے کو بڑھا کر فلسطین کے مزید علاقوں پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے لاکھوں فلسطینیوں کو ہجرت کرنا پڑی اور اس طرح فلسطینی مہاجرین کا ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔

اب قارئین کرام، اس بات پر مزید غور کریں کہ عرب۔اسرائیل جنگ کے اختتام کے بعد ہونے والی دیگر چھوٹی بڑی جنگوں میں اسرائیل کا کتنا فائدہ ہوا اور فلسطین کو کتنے نقصانات کا سامنا کرنا پڑا؟!اس سوال کا جواب میں اپنی تحریر کے پہلے حصے میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں کہ ان تمام چھوٹی بڑی جنگوں کا ہولناک نتیجہ دونوں طرفین یعنی (اسرائیل اور فلسطین) کے لاکھوں معصوم و بے گناہ شہریوں کی ہلاکت کی صورت میں دنیا کے سامنے آیا۔ اب اگر ہم مزید اس بحث و مباحثے میں پڑے رہیں کہ دونوں فریقین میں سے کس فریق کا زیادہ اور کس فریق کا کم نقصان ہوا تو یہ بحث و مباحثہ کسی حتمی نتیجے کے بغیر ہی جاری رہے گا اور مزید معصوم و بے گناہ انسانی جانوں کا اتلاف بھی ہوتا رہے گا۔ لہٰذا میں اس دیرینہ اسرائیل۔فلسطین تنازعے کا حل اپنے بیان کردہ فلسفہ

حقیقت پسندی اور عملیت پسندی (Realism and Practicalism) کو سامنے رکھ کر پیش کرنے کی جسارت کروں گا اور وہ یہ ہے کہ ہمیں اس پرانے اسرائیل۔ فلسطین تنازعے کے زمینی حقائق کو تسلیم کرنا پڑے گا اور ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں آئندہ کی ایسی حکمت عملی بنانی ہوگی جو برسوں سے جاری جنگ کے خاتمے کا سبب بن سکے۔

قارئین کرام!

میں آپ سے سوالات کی شکل میں کچھ مزید باتیں کرنا چاہوں گا۔

(1) کیا اسرائیل کو امریکہ، برطانیہ اور مغربی ممالک کی حکومتوں اور طاقتور اشرافیہ کی حمایت حاصل نہیں ہے؟

(2) کیا یہ زمینی حقیقت نہیں ہے کہ فلسطین کو ماسوائے ایک یا دو ممالک کے کسی بھی ملک بشمول اسلامی ممالک کی حکومتوں اور طاقتور اشرافیہ کی کوئی عملی حمایت حاصل نہیں ہے؟

(3) کیا یہ زمینی حقیقت نہیں ہے کہ اقوام متحدہ کے باقاعدہ ممبر ممالک کی کُل تعداد جو اس وقت 193 تک ہے، ان ممبران میں سے 164 ممبران نے اسرائیل کے وجود کو ایک آزاد ریاست کے طور پر تسلیم کر لیا ہے؟

(4) کیا یہ زمینی حقیقت نہیں ہے کہ سپر پاورز میں سے ایک بڑی سپر پاور روس (Russia) نے 17 مئی 1948ء کو اسرائیل کو باقاعدہ طور پر ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے تسلیم کیا؟

(5) کیا یہ زمینی حقیقت نہیں ہے کہ ایک اور سپر پاور چائنا (China) نے بھی 24 جنوری 1992ء کو اسرائیل کو ایک آزاد ریاست کے طور پر تسلیم کر لیا؟

(6) کیا یہ ایک زمینی حقیقت نہیں کہ اسرائیل کو تو ایک ریاست کے طور پر اقوام متحدہ اور اس کے 164 رکن ممالک نے تسلیم کر لیا ہے لیکن تمام تر معاہدوں کے باوجود فلسطین کو ایک آزاد و خودمختار ریاست کے طور پر نہ تو اقوام متحدہ نے اب تک تسلیم کیا ہے اور نہ ہی کسی اور ملک نے تسلیم کیا ہے۔ کیا یہ حقیقت کسی المیہ سے کم نہیں ہے؟

(7) کیا یہ زمینی حقیقت نہیں ہے کہ "پاکستان" سمیت جن اسلامی ممالک نے اسرائیل کی ریاست کو اب تک اعلانیہ یا باقاعدہ طور پر تو تسلیم نہیں کیا ہے لیکن کیا ان ممالک کے بھی اسرائیل کے ساتھ غیر اعلانیہ یا خفیہ روابط نہیں

ہیں؟

(8) کیا یہ زمینی حقیقت نہیں ہے کہ موجودہ اسرائیل۔فلسطین جنگ میں کوئی ایک بھی اسلامی ملک اعلانیہ طور پر اپنے ٹھوس اور واضح لائحہ عمل کے ساتھ عملی میدان میں فلسطین کی حمایت کرنے سامنے نہیں آیا؟

قارئین کرام!

میں ان بیان کردہ نکات اور سوالات کی روشنی میں اپنی جو رائے یہاں رقم کرنے جا رہا ہوں وہ یہ ہے کہ فلسطین کا وجود، اسرائیل کے وجود سے ہزاروں سال پرانا ہے جبکہ گزشتہ 75 برسوں سے اسرائیل کا وجود ایک ایسی حقیقت بن کر سامنے آیا ہے کہ اقوام متحدہ کے باقاعدہ ممبران میں سے 164 ممالک والے یعنی اسرائیل کو ایک آزاد و خودمختار ریاست کے طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔ لہٰذا آج کی زمینی حقیقت یہ ہے کہ فلسطین کا وجود حقیقی ہے اور اسرائیل کا وجود بھی ایک حقیقت بن چکا ہے۔

میں اقوام متحدہ سمیت تمام ہی بڑی اور طاقتور قوتوں کے سامنے اپنا یہ مؤقف بیان کرنا چاہوں گا کہ اقوام متحدہ کے طے کردہ تقسیم فلسطین پلان (United Nations's Partition Plan) جس کے تحت 55 فیصد حصہ یہودیوں (Jewish) کی ریاست کو ملے گا اور عرب ریاست کو 45 فیصد حصہ ملے گا۔

میں حقائق کی روشنی میں یہاں اقوام متحدہ کے سامنے انصاف پر مبنی ایک مطالبہ رکھنا چاہوں گا کہ اسرائیل کو 45 فیصد حصہ دیا جائے اور فلسطین کو 55 فیصد حصہ دیکر 75 سال پرانے اسرائیل۔فلسطین کا تنازعہ مستقل بنیادوں پر حل کیا جائے اور اگر میری اس رائے سے کسی کو اتفاق نہ ہو تو کم از کم جس طرح اقوام متحدہ نے ایک آزاد ریاست اسرائیل کو تسلیم کیا تھا اسی طرح قدیم فلسطین کی ایک آزاد و خودمختار ریاست کا قیام بھی عمل میں لایا جائے تاکہ اس خطے میں معصوم و بے گناہ انسانوں کے قتل و خون کے جاری سلسلے کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کیا جا سکے اور اس طرح خطے میں پائیدار اور مستقل امن قائم کیا جا سکے۔

میں اپنے تحقیق کردہ فلسفہ حقیقت پسندی و عملیت پسندی (Realism and Practicalism) کے مطابق موجودہ اسرائیل۔فلسطین تنازعہ کے حل کے بارے میں اپنی مزید تجاویز پیش کرنا چاہوں گا۔

اسرائیل۔ فلسطین کے درمیان تنازع ایک پیچیدہ اور حساس مسئلہ ہے جس کے حل کے لیے دونوں فریقوں کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی برادری کی شمولیت اور تعاون کی بھی اشد ضرورت ہوگی۔ پرامن حل کی طرف بڑھنے میں مدد کے لیے چند تجاویز درج ذیل ہیں:

1۔ مکالمہ اور گفت وشنید:

جیسا کہ میں نہایت تفصیل سے یہ بیان کر چکا ہوں کہ ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کرنے اور جنگ وجدل ختم کر کے بات چیت کا راستہ اختیار کرنے سے ہی اس تنازعے کا حل نکل سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ وقت کی اشد ضرورت ہے کہ مزید انسانی جانوں کے اتلاف اور تباہی کے سلسلے کو روکنے کے لئے اقوام متحدہ اور عالمی برادری خصوصاً بڑی طاقتوں کی جانب سے فریقین پر زور دیا جائے کہ وہ ثالثوں کی موجودگی میں براہ راست مذاکراتی عمل میں شامل ہوں اور اپنی شکایات کے ازالے اور تنازعے کے حل کی ایک مشترکہ بنیاد تلاش کریں کیونکہ ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے کھلی اور ایماندارانہ بات چیت بہت ضروری ہے۔

2۔ دو ریاستی حل:

خطے میں مزید قیمتی جانوں کے تحفظ اور مستقل بنیادوں پر جنگ وجدل کی صورتحال سے بچنے کیلئے "جیو اور جینے دو" کی پالیسی پر عمل کیا جائے، اس پالیسی کے تحت اسرائیل اور فلسطین کے عوام کو ایک دوسرے کی ریاست کو تسلیم کرنا چاہیے کیونکہ اقوام متحدہ خود بھی فلسطین میں دو ریاستی حل کی حامی ہے لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ آج وقت کا بھی تقاضہ ہے کہ فریقین بمباری اور حملے بند کر کے بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ دو ریاستی حل کو تسلیم کرتے ہوئے آگے کی جانب بڑھیں، جہاں اسرائیل اور فلسطین محفوظ سرحدوں کے ساتھ، ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے آزاد ریاستوں کے طور پر رہ سکیں۔

3۔ انسانی حقوق کا احترام:

میں سمجھتا ہوں کہ احترام انسانیت، رنگ، نسل، مذہب، عقیدے اور علاقائی وابستگی سے بالاتر اور عظیم ہے

لہذا خطے میں آباد تمام اقوام سے وقت کا یہی تقاضہ ہے کہ وہ رنگ، نسل، مذہب اور عقیدے کی تفریق سے بالاتر ہو کر انسانیت کی بقاء، اُس کے احترام اور انسانی حقوق کے تحفظ کو اولیت دیں۔ احترامِ انسانیت، مساوات، انصاف اور بین الاقوامی قانون کا احترام کرتے ہوئے ہر قوم کو عزت اور آزادی کے ساتھ جینے کا حق دینے سے ہی ہر علاقے اور خطے میں مستقل اور پائیدار امن کے قیام میں مدد مل سکتی ہے۔

4۔ بین الاقوامی حمایت:

بین الاقوامی برادری، اقوام متحدہ خصوصاً بڑے اور امیر و طاقتور ترین ممالک جنگ بندی اور مستقل امن کے سلسلے میں فعال کردار ادا کریں اور یہ مسلسل سفارتی کوششوں، اقتصادی مدد اور حفاظتی ضمانتوں کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔

یاد رکھیں، خطے میں امن کا حصول ایک پیچیدہ کام ہے جس کے لیے تمام فریقین کو عزم، صبر اور سمجھ بوجھ سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ طاقت کے ذریعے کوئی بھی قوم کسی علاقے پر قبضہ کر کے اُس علاقے کو مقبوضہ علاقہ تو بنا سکتی ہے اور مقبوضہ علاقے میں رہنے والے عوام کو اپنا محکوم تو ضرور بنا سکتی ہے لیکن طاقت کے ذریعے کسی بھی دوسری قوم کے وجود کو ختم نہیں کر سکتی۔

قارئین کرام!

میں نے اپنی سوچ و فکر کے مطابق فلسفہ حقیقت پسندی (Realism) کے تحت زمینی حقائق کا مختصراً خاکہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور عملیت پسندی (Practicalism) کے مطابق اسرائیل۔فلسطین تنازعے کے حل کے ساتھ ساتھ خطے میں مستقل اور پائیدار امن کے قیام کا فارمولا یا پلان بھی پیش کر دیا ہے۔

قارئین کرام!

میں اپنے تخلیق کردہ فلسفہ حقیقت پسندی و عملیت پسندی (Realism and Practicalism)

کے مطابق یہ سمجھتا ہوں کہ زمینی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ دنیا میں موجود کون سی چیز انسان کے فائدے میں ہے اور کون سی نقصان دہ ہے اور یہ سب کچھ جان لینے کے بعد انسان کیلئے جو کچھ بھی فائدہ مند ہو اُسے عملی طور پر کس طرح اپنایا جائے یا استعمال کیا جائے۔ اسی طرح جو کچھ بھی انسان کیلئے نقصان دہ ہو اُس سے کس طرح دور رہا جائے، یہ چیز یا اجتناب کیا جائے اور اگر کسی نقصان دہ چیز کا استعمال انسان کے فائدے کیلئے بھی کیا جا سکتا ہو تو انسانیت کی بقاء اور ایک عظیم مقصد کی خاطر اس کو استعمال کرنے کیلئے عملی طور پر کس طرح کی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اگر کوئی نقصان دہ چیز، انسان کی بہتری، بقاء، وسلامتی اور فلاح کیلئے بھی استعمال کی جا سکتی ہو تو ہمیں اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ اس نقصان دہ چیز کو کس طرح اور کیسے استعمال کیا جانا چاہیے اور جس کے استعمال سے کن کن تدابیر کو اختیار کر کے انسان کو نقصان پہنچنے کے عمل سے بچایا جا سکے مثلاً یورینیم جس کی علامت (Symbol) "U" ہے اور یہ ایک ایسا عنصر (Element) ہے جس کے ذریعے بجلی بھی پیدا کی جا سکتی ہے اور جس سے انتہائی تباہ کن نیوکلیئر ہتھیار بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح پارا (Mercury) ہے جس کا Symbol "Hg" ہے۔ پارے کا استعمال انسانی جسم کا درجہ حرارت ناپنے کے آلے تھرما میٹر، انسان کے بلڈ پریشر ناپنے کے آلے (Sphygmomano meter) اور ہوا کے دباؤ کو ناپنے والے آلے بیرومیٹر میں کیا جاتا ہے جبکہ دوسری طرف پارا (Mercury) انسان کی صحت و زندگی اور ماحولیات کیلئے زہریلا (Poisonous) بھی ہوتا ہے اس کے باوجود اُسے انسانیت کی فلاح و بہبود کیلئے استعمال کیا جاتا ہے ـــ مگر انتہائی احتیاطی اور ضروری تدابیر کے ساتھ۔

قارئین کرام!

میں اپنے تحریر کردہ اس تحقیقی مقالے (Thesis) کے ذریعے اپنے فلسفۂ حقیقت پسندی (Realism) اور عملیت پسندی (Practicalism) کے مطابق صرف یہ چاہتا ہوں کہ پوری دنیا میں موجود تمام تنازعات، تعصبات، نفرتوں، کدورتوں اور بغض وعناد کا کسی طرح خاتمہ کیا جائے اور ماضی کی تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے

اور اس کے زمینی اور سچے حقائق کو تسلیم کر کے اور ان کا جائزہ لیتے ہوئے دنیا بھر میں موجود ہر ملک میں پائی جانے والی بے چینیوں کے خاتمے — حقوق سے محرومی کے خاتمے — رنگ و نسل کے امتیاز کے خاتمے — ایک دوسرے کے وجود کو کھلے دل سے تسلیم کرنے — سوچ و فکر کے تضادات یا اختلافات کے خاتمے کیلئے جنگ و جدل کے بجائے بات چیت کا راستہ اختیار کرنے — مذہبی رجعت پسندی کے خاتمے — مذہبی رواداری کو قائم کرنے — مرد و خواتین کے امتیاز کو مٹانے — برتری اور کمتری کی سوچ کا خاتمہ کرنے کیلئے با اثر ممالک بالخصوص اقوام متحدہ کو اپنا اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا اشد ضروری ہے کہ تضادات و اختلافات کے خاتمے اور تنازعات کے حل کیلئے جنگ یا طاقت کا ناجائز استعمال کرنے کے بجائے خلوص نیت اور دیانتداری کے ساتھ بات چیت کا راستہ اختیار کیا جائے۔

24 اکتوبر 1945ء کو قائم ہونے والی اقوام متحدہ کی تشکیل اسی لئے عمل میں لائی گئی تھی کہ دنیا میں ہونے والے ہر قسم کے ظلم و ستم و بربریت کا خاتمہ کیا جا سکے اور جنگ عظیم اول اور دوم کے ہولناک نتائج کی روشنی میں دنیا بھر میں آئندہ کوئی تیسری ممکنہ عالمی جنگ سے بچا جا سکے اور دنیا بھر میں احترام انسانیت کے قیام کیلئے ہر ممکنہ اقدامات کر کے دنیا بھر کے ممالک کو پابند بنایا جا سکے کہ وہ یو این چارٹر پر عملدرآمد کریں۔

میں ذاتی طور پر دنیا بھر میں اور دنیا کے کسی بھی ملک میں موجود تنازعات کو طاقت کے ذریعے حل کرنے کا خاتمہ چاہتا ہوں، دنیا میں انصاف اور انصاف کے نظام کا عملی طور پر نظر آنے والا عمل دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ جنگ اور جنگ کے مکمل خاتمے اور امن اور صرف امن کے قیام کا عملی نمونہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں مختصراً یہ کہنا چاہوں گا کہ میرا مشن و مقصد صرف اور صرف جنگ سے نفرت اور امن سے محبت ہے۔

قارئین کرام!

اب آپ میرے تاریخی حقائق کی روشنی میں تیار کردہ اس تحقیقی مقالے (Thesis) کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اپنے ضمیر کے مطابق بہتر طور پر فیصلہ کریں کہ میرا تحریر کردہ مقالہ کس حد تک درست ہے اور کس حد تک غلط ہے، اس کا فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

میری آپ تمام قارئین سے بصد احترام درخواست ہے کہ اگر میری بیان کردہ باتوں میں سے کوئی بات کسی کو ناگوار گزری ہو تو مجھے معاف فرمائیں، میری اصلاح اور اپنے خیالات سے آگاہ کرنے کیلئے نیچے درج کیے جانے والے Email Address پر مجھے ضرور آگاہ کریں۔

عالمی امن، جنگ وجدل کے خاتمے، انسانیت کی بقاء اور خصوصاً مشرق وسطیٰ کے خطے میں مستقل قیامِ امن کے لئے دعاگو

احقر

الطاف حسین

بانی وقائد

متحدہ قومی موومنٹ

Muttahida Quami Movement (MQM)

International Secretariat (London)

185 Whitchurch Lane

Edgwar, Middlesex

HA8 6QT

Email: mqm@mqm.org

Website: www.mqm.org

Phone: 0044 208 9527300

Photographs .... تصاویر

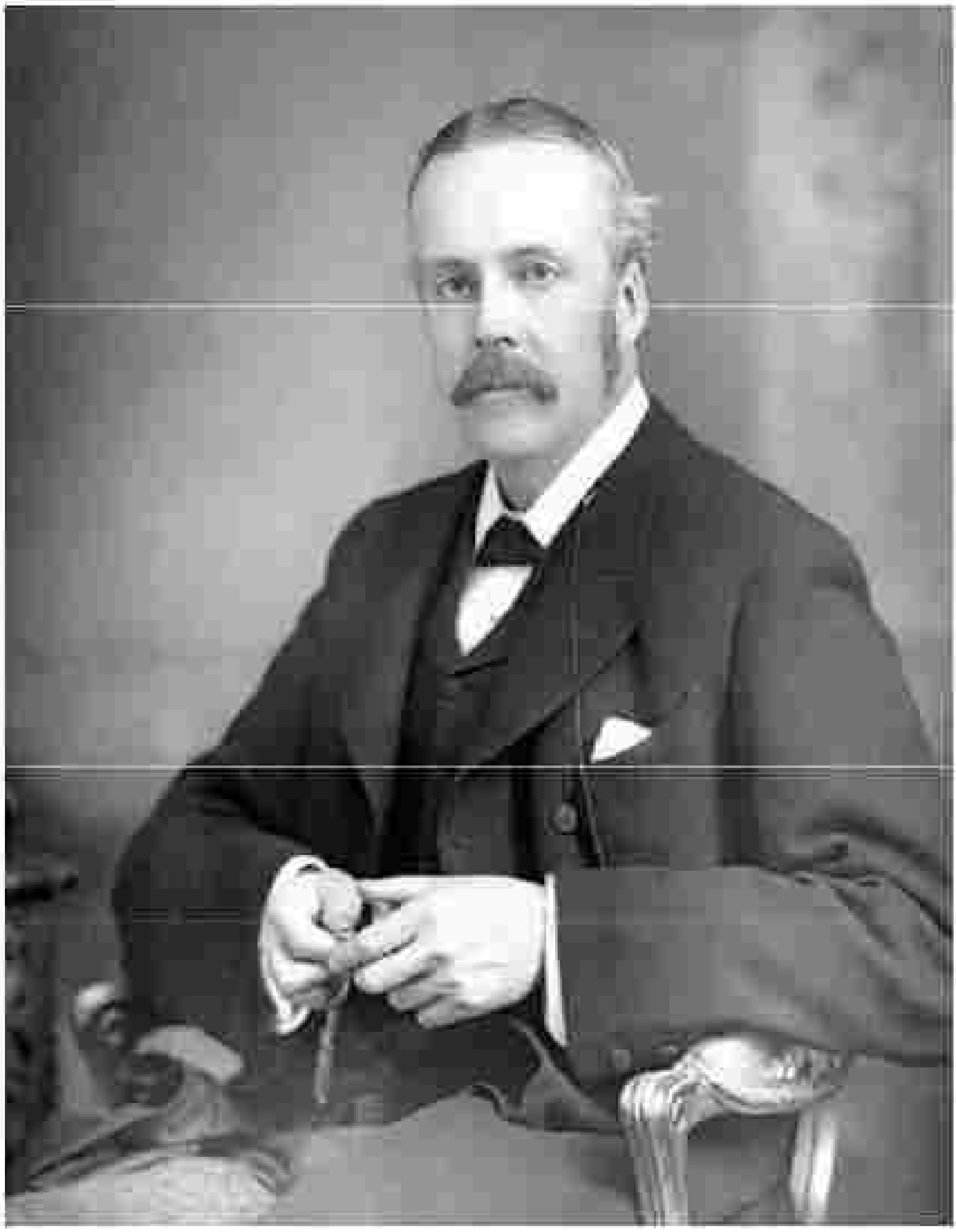

Arthur Balfour

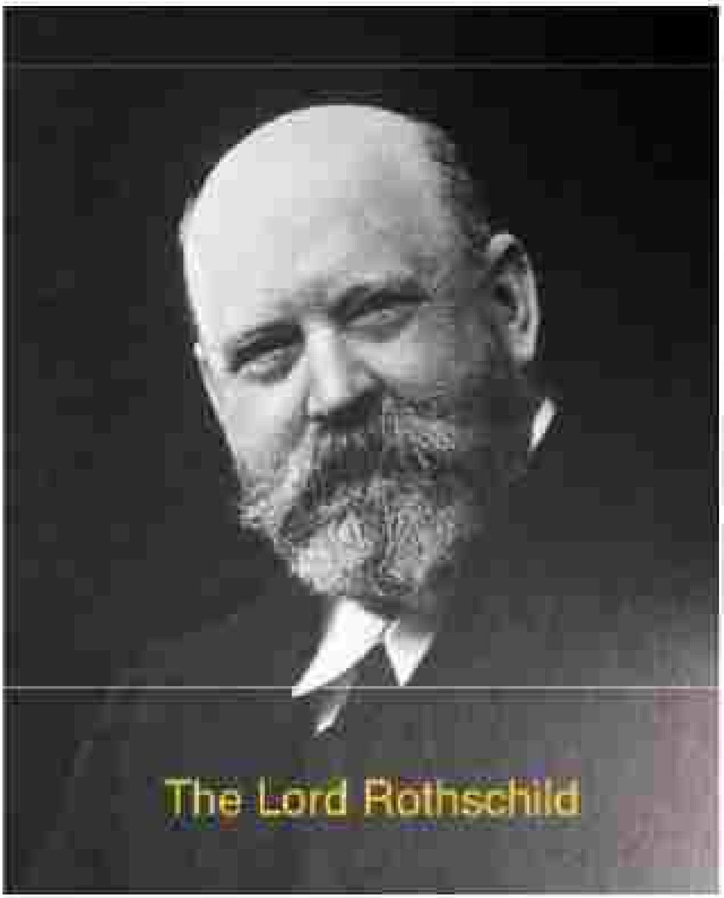

Lord Rothschild

Map of 1917

Map of 1918 - 1947

Israel-Palestine Conflict:

Glimpses of the past and plight of the present

Research Paper

In Light of Historical Facts

By:

Altaf Hussain

Abstract

Altaf Hussain, a prominent political figure in Pakistan and the founder and leader of a political party and civil rights movement, Muttahida Quami Movement (MQM). MQM is the third largest politcal party in Pakistan and the second largest in the southern province of Sindh.

He has undertaken a profound examination of the intricate and enduring conflict between Israel and Palestine in a thought-provoking research paper. This comprehensive document delves into the historical, geopolitical, and cultural dimensions of the conflict, seeking to provide a nuanced understanding of the roots and dynamics that have molded this enduring struggle. As we embark on this intellectual journey through Altaf Hussain's analysis, it is essential to recognize the sensitivity and multifaceted nature of the Israel-Palestine conflict—a subject that has spurred impassioned discussions and spawned diverse perspectives on the global stage. The roots of the conflict between Israel and Palestine have its origins in deeply ingrained historical narratives, territorial claims, and disparate national identities. A comprehensive grasp of the conflict's genesis necessitates a historical lens spanning for decades. The aftermath of World War II witnessed significant geopolitical shifts, culminating in the establishment of the State of Israel in 1948. This pivotal event marked the realization of the Zionist movement's aspirations for a Jewish homeland—a vision steeped in historical and religious significance. Simultaneously, it became the catalyst for the displacement of hundreds of thousands of Palestinian Arabs, laying the groundwork for a protracted conflict over territory, resources, and national sovereignty. This paper meticulously scrutinizes the intricate web of historical events, shedding light on the divergent narratives that have shaped the perspectives of both Israelis and Palestinians. The displacement of Palestinians in 1948, known as the Nakba, remains a pivotal point of contention, symbolizing the dispossession and loss experienced by the Palestinian people. In contrast, Israelis perceive the establishment of their state as a legitimate realization of their right to self-determination, grounded in historical claims and the horrors of the Holocaust.

The geopolitical dimensions of the Israel-Palestine conflict further complicate the landscape. Over the years, various regional and global actors have become entwined in the struggle, contributing to the perpetuation of hostilities. This research paper delves into the roles played by neighboring Arab states, international superpowers, and regional alliances in shaping the trajectory of the conflict. The interplay of geopolitical interests, ideological affiliations, and strategic considerations has often exacerbated tensions and hindered the prospects for a lasting resolution.

Religious and cultural factors play a decisive role in the Israel-Palestine conflict, adding layers of complexity to an already intricate situation. The holy site in Jerusalem, sacred to both Judaism and Islam, became contested spaces reflecting the deep-seated religious dimensions of the conflict. This research paper meticulously examines how religious narratives have been employed by various actors to garner support, legitimize actions, and mobilize communities, contributing to the perpetuation of the conflict. The impact of the Israel-Palestine conflict extends beyond the borders of the region, resonating globally and influencing diplomatic relations, international law, and public opinion. This paper provides insights into how the conflict has become a focal point in international politics, leading to a myriad of diplomatic initiatives, resolutions, and peace processes. This research paper critically assesses the effectiveness of these endeavors, exploring the challenges and opportunities presented by diplomatic interventions in the pursuit of a just and lasting solution. As we navigate through the exploration of the Israel-Palestine conflict, it is imperative to acknowledge the human dimension of this enduring struggle. This paper delves into human rights violations, humanitarian crises, and the impact on the lives of ordinary people caught in the conflict. The experiences of Palestinians living under occupation, the challenges faced by Israeli citizens in a perpetual state of conflict, and the plight of refugees underscore the urgent need for a comprehensive and sustainable resolution that addresses the human cost of the conflict.

INDEX

1. Historical Background of Palestine
2. Who were the Canaanites?
3. Israelites
4. When and how was Hazrat Yaqoob given the title of Israel?
5. Assyrian and Babylonian Empires
6. Roman and Byzantine Empires
7. During the Common Era
8. Islamic Empires
9. Crusades
10. Ottoman empire
11. First World War (1914-1918)
12. Second World War (1939-1945)
13. Formation of the League of Nations (1920)
14. Foundation of the United Nations (1945)
15. Partition of Palestine (1945)
16. Balfour Declaration (1917)
17. Division of Palestine by the United Nations (1947)
18. Evolution of Rule in Palestine
19. Additional Insights
20. First Israel-Arab War 1948
21. Yom Kippur War 1973
22. Settlers
23. British Mandate
24. Nakba 1948
25. A brief history of Suez Canal
26. The Suez Canal Crisis
27. Red Sea
28. Blockade of the Straits of Tiran – May 1967
29. Arab-Israel War – June 1967
30. Difference between Jews and Zionists

31. Zionist Movement
32. Zionist Movement's Goal
33. Historical Oslo Accord
34. The Oslo Accord (two pivotal components)
35. Hamas Rocket Attacks on Israel - October 7, 2023
36. Prospect for future (Outcome)

Dear esteemed readers,

A profound understanding of the Israel-Palestine conflict is indispensable for the younger generation, history students, and the public. It is imperative to delve into the essence of Palestine, the identity of Israel, and the historical roots of this intricate conflict. My objective is to present this historical narrative in an accessible manner for individuals from diverse backgrounds.

1. Historical Background of Palestine:

Palestine is a region having roots in ancient history, dating back to the BCE era (before the Common Era), an era when people inhabited the prehistoric epoch.

Definitions of BCE:

In easy and simple words, BCE is the period that is commonly known as the Old Stone Age.

The term BCE is defined in three ways, or in English language, it can be referred to as:

(1) Before Common Era

(2) Before Current Era

(3) Before Christ Era

A study of the history books about the existence of the region of Palestine reveals that the region of Palestine is so old that the traces of the people living in the ancient Stone Age are found here. Throughout the ancient history of Palestine, this region has witnessed the ebb and flow of various empires and civilizations.

2. Who were the Canaanites?

The Canaanites were the oldest inhabitants of the land of Palestine. According to ancient historical books, these Canaanite people used to speak "Semitic" language, or they were Semitic-speaking. These Canaanite people lived in an area called Canaan. According to the current era, this area of Canaan consisted of parts of Lebanon, Israel, Palestine, Jordan, and Syria.

These Canaanites played a key role in the modernization of agricultural practices, trade networks, and the establishment of city-states in the late Bronze Age. In their religion, more than one God was worshipped.

3. Israelites:

The Israelites refer to the ancient Hebrew people, and according to the Holy Bible, they were the descendants of Hazrat Yaqoob (Jacob). Now here it is particularly important to understand who Hazrat Yaqoob was.

Hazrat Yaqoob was the son of Hazrat Ishaq. Genealogy can also be understood in this way.

Hazrat Ibrahim AS or Abraham

Hazrat Ishaq AS or Isaac, son of Abraham

Hazrat Yaqoob AS or Jacob, is the son of Hazrat Ishaq (Isaac) and the grandson of Hazrat Ibrahim.

Hazrat Israel was the title of Hazrat Yaqoob.

4. When and how was Hazrat Yaqoob given the title of Israel?

According to Biblical history, an important event occurred in the life of Hazrat Yaqoob. One night, an angel wrestled with Hazrat Yaqoob, and the encounter continued throughout the night. Hazrat Yaqoob overcame that angel with the help of Allah and the angel gave the title of "Israel" to Hazrat Yaqoob. Which means "fighting with the help of God (Allah)".

Hazrat Yaqoob is called "Yaakov" in the Hebrew language, while in the Arabic language he is called Yaqoob.

Hazrat Yaqoob AS had 12 children, thus the descendants of Hazrat Yaqoob (Jacob) and their descendants (Generations) are called "Bani Israel" which are called "Israelites" in the English language.

The existence of the people of Bani Israel became known in Palestine around the 12th century BCE.

It is pertinent to know that Hazrat Ibrahim had two sons; one was named Ismail while the other was named Ishaq. Hazrat Ismail grew up in Mecca, Arabia, while Ishaq was in Palestine.

5. Assyrian and Babylonian Empires:

During the 8th century BCE, the Assyrian and Babylonian empires exerted influence over Palestine.

6. Roman and Byzantine Empires:

The Roman Empire took control of Palestine in 63 BCE, subsequently giving rise to the Byzantine Empire in the region.

7. During the Common Era:

The term "A.D." translates to Anno Domini, meaning "A Year After Jesus Christ was Born," denoting the years following Jesus's birth. In simplest words, it is the era we are living in. In this epoch, Palestine experienced the rise and fall of empires, the spread of major world religions, and the impact of imperial powers.

8. Islamic Empires:

In the 7th century AD, the Rashidun Caliphate's armies conquered Palestine, spreading Islam across the region. Muslim rule over Palestine can be spread over three reigns:

1. The Umayyads 661 A.D. to 750 A.D.
2. Abbasids 750 A.D. to 1258 A.D., and
3. Fatimids 909 A.D. to 1171 A.D., then governed the area.

9. Crusades:

From the 11th to the 13th centuries, European Christians initiated Crusades to reclaim the Holy Land (Jerusalem) from Muslim control, profoundly influencing the region and leading to the establishment of Crusader states.

10. Ottoman Empire:

In the 16th century, the Ottoman Empire conquered Palestine, governing the region for centuries. Jerusalem became a significant center for Islam, Christianity, and Judaism during this period.

After World War I (1914-1918), the Ottoman Empire was defeated; subsequently, the League of Nations Mandate placed Palestine under British control, leading to increased Jewish immigration and so the proliferation of hostility between Arabs and Jews, setting the stage for tensions between the two communities.

In conclusion, a nuanced understanding of the historical context, including events such as World War I/II and the British Mandate, is essential before exploring the latest developments in the Israel-Palestine conflict in October 2023.

11. The First World War (1914-1918):

The war commenced on July 28, 1914, and concluded on November 11, 1918, involving the Allies Powers—Great Britain, France, Russia, the United States, Italy, and Japan—and the Central Powers—Germany, Austria, Hungary, Bulgaria, Serbia, and the Ottoman Empire.

(A) The Allies Powers:

Among the Allies Powers were formidable nations such as Great Britain, France, Russia, the United States, Italy, and Japan.

(B) The Central Powers:

The Central Powers, comprising Germany, Austria, Hungary, Bulgaria, Serbia, and the Ottoman Empire, stood as the formidable opposition.

12. The Second World War (1939-1945):

This monumental conflict, spanning from September 1, 1939, to September 2, 1945, witnessed a six-year struggle between two major alliances: the Axis Powers and the Allied Powers.

(A) The Axis Powers:

The Axis Powers, spearheaded by Germany, Italy, and Japan, sought dominance during this turbulent period.

(B) The Allied Powers:

The Allied Powers, featuring France, Great Britain, the United States, and the Soviet Union, with the participation of China, shaped the course of this global conflict.

13.Formation of the League of Nations (1920):

Over 40 nations united on January 10, 1920, to birth the League of Nations, a beacon for international peace and relations. This historical chapter concluded on April 19, 1946.

14.Foundation of the United Nations (1945):

The United Nations emerged on October 24, 1945, boasting an inaugural membership of 51 countries. In the historical tapestry, Palestine, having been under British control post-World War I, found its fate entwined with the League of Nations mandate.

15.Partition of Palestine (1945):

Post-World War II in 1945 witnessed the return of Palestine, previously under British control, to the Palestinian region. The roots of this geopolitical transformation can be

traced back to the Balfour Declaration of 1917, affirming British support for a "national home for the Jewish people" in Palestine.

16. The Balfour Declaration (1917):

The Balfour Declaration was a letter written by Arthur Balfour in 1917. Arthur Balfour was the Foreign Secretary of the British Empire at that time, who expressed British support for a "national home for the Jewish people" in Palestine. On 2nd November 1917, Arthur Balfour sent a letter to Lord Rothschild, the leader of the British Jewish community and wrote that "On behalf of the British Government, I am sending this statement in support of the Zionist Jews which was placed before the Cabinet and was approved".

It should be noted that the British Foreign Secretary Arthur Balfour wrote this letter to Lord Rothschild one year before the end of the First World War, i.e., on November 2, 1917, while the First World War ended on November 11, 1918.

This declaration played a significant role in the creation of the state of Israel on May 14, 1948.

Division of Palestine states for Arabs and Jews, designating Jerusalem as an international entity.

17. Division of Palestine by the United Nations (1947):

The League of Nations and later the United Nations played crucial roles in the geopolitical changes and establishment of states in the Middle East, particularly in Palestine. The Balfour Declaration and subsequent UN resolutions significantly influenced the formation of the state of Israel.

The General Assembly passed its resolution 181 (which can also be called the partition resolution of Palestine). Under this 181 resolution, it was intended to divide Palestine into two parts and divide it into "Arab" and "Jewish" states, and the part of Palestine that is called Jerusalem also called "Corpus Separatum" in the 181 resolution. The existing

region was declared as a separate entity which will be under the special international government.

More than 50 member countries of the United Nations recognized the establishment of the State of Israel.

But it is also important to record those facts in this way so that everyone can think about it and judge whether the stated facts are right or wrong or bring out some other new aspect for further improvement in the facts stated by me.

So, now, while continuing my writing, I forgot to make an important historical point in light of the historical facts mentioned. However, it is stated below.

Palestine was ruled by the Ottoman Empire until 1918. According to another detailed explanation, the Turkic tribesmen of the Ottoman Empire hoisted the flag of the Ottoman Empire over the whole of Palestine in 1517. The Turkish tribes remained in Palestine until 1918, i.e., for 402 years.

18. Evolution of Rule in Palestine:

Palestine witnessed the sway of the Ottoman Empire until 1918, followed by the British Mandate, which governed the region until 1948.

In essence, the League of Nations and subsequently the United Nations played pivotal roles in reshaping the Middle East's geopolitical landscape, with the Balfour Declaration and UN resolutions leaving an indelible mark on the formation of the state of Israel.

United Nations Resolution 181 not only established the state of Israel in the territory of Palestine but also added the Palestinian territories to the Arab states by ending the ancient geographical status of Palestine.

Wouldn't it be justified to conclude that, for centuries, the United Nations has been consistently disregarding the fundamental human rights of the indigenous Palestinian population?

19. Additional Insights:

I would now like to elaborate on the establishment of the State of Israel on May 14, 1948, bringing attention to the historical depth of the Palestinian region, as previously penned in detail. This underscores the undeniable presence of human life in every corner of the world. Even when human presence may seem unlikely in a region or zone, the existence of insects and organisms remains evident. Following this principle, Palestine stands as an ancient region where people have identified with it for centuries. It is an incontrovertible fact that individuals globally associate themselves with the lands of their forebears. Consequently, those residing in Palestine rejected UN Resolution 181, setting the stage for their ongoing struggle to reclaim their homeland.

This marked the inception of the Israel-Palestine conflict, commonly recognized as the enduring dispute.

As previously articulated in my narrative, the people of Palestine rejected the partition of their land. Hence, while inhabiting these regions, they initiated a struggle for freedom—a struggle persisting to this day.

Now, let us delve into the developments since the establishment of the State of Israel on May 14, 1948, up to 2023.

I. Is it not factual that upon the formal declaration of the State of Israel on May 14, 1948, Israel, employing unrestrained force, occupied the remaining areas of Palestinian land that were given to Arab states under 181 resolutions? To this day, Israel maintains control over these regions. Unfortunately, the United Nations, despite Israel's breach of the agreed upon Resolution 181, failed to take any action, or make efforts to evacuate the unlawfully occupied Palestinian territories.

II. The series of offensives by the Israeli state's forces persisted, resulting in the seizure of additional Palestinian territories. Not only did the Israeli forces intensify day by day, but they also escalated the use of heavier weaponry, including tanks and ammunition, alongside small arms in their attacks.

iii.It is an undeniable fact that Palestinian people, residing in these regions, countered with stones and slingshots and countering advanced weaponry and heavy arms with stones and slingshots is not possible at all. Israel's offensives led to a substantial loss of Palestinian lives and injuries, compelling them to abandon their homes, which were subsequently occupied by Israeli settlers.

Before probing further into the historical intricacies of the Israel-Palestine conflict in my research paper, I would like to showcase images of two pivotal figures whose correspondence significantly influenced British efforts to establish a separate "national home" for Jews in Palestine. One image features Arthur Balfour, and the other showcases Lord Rothschild.

(Please refer to the images of Arthur Balfour and Lord Rothschild on the last page)

Additionally, two maps are provided for the readers' convenience, illustrating the Jewish population in the Palestinian region in 1917 in blue and the non-Jewish population, including Muslims, in green.

In a similar vein, there exists a map spanning from 1918 to 1947, illustrating the growth in the Jewish population in Palestine. Please refer to this map on the concluding pages of the research papers.

Dear esteemed readers!

It is important to note that the initial map from 1917 is from a period predating the formal establishment of the State of Israel, which materialized on May 14, 1948. Historical records indicate that following the end of the First World War in 1918, coinciding with the end of the Ottoman Empire, the League of Nations assigned complete control of Palestine to the British Empire in 1922. Consequently, prior to the declaration of the independent state of Israel on May 14, 1948, the Jewish population in Palestine burgeoned from 6% in 1918 to 33% in 1947.

20. **First Israel-Arab War 1948:**

After the establishment of the State of Israel in 1948, the First Israel-Arab War ensued. In this conflict, the Israeli military gained supremacy over Arab states, particularly Egypt and Syria, securing control over 78% of historic Palestine. This occupation led to the forceful displacement of a significant share of the Palestinian population—three-quarters—who were compelled to settle in Gaza and the West Bank.

Since May 14, 1948, following the establishment of the State of Israel, hostilities between Israel and Palestinians persisted, marked by major wars in 1948, 1956 (Suez Canal crisis), 1967 (Six-Day War), and a ceasefire from 1967 to 1970 aimed at de-escalating or concluding the conflict.

21.Yom Kippur War 1973:

In 1973, the Yom Kippur War unfolded. This conflict, which transpired on October 6, 1973, involved Israel and Arab countries, primarily Egypt and Syria. Also known as the October War or Ramadan War, it commenced on the holiest day for Jews, Yom Kippur. On October 6, 1973, Arab coalition forces initiated the war to reclaim territories seized by Israel during the Six-Day War in 1967. The initial phase witnessed Arab forces entering the Sinai Peninsula by crossing the Suez Canal. Although initially caught off guard, Israel regrouped and repelled the Arab coalition forces through counteroffensives. The war endured for approximately three weeks and concluded with a ceasefire.

Subsequently, in 1982, conflict erupted between Israel and Lebanon.

This prompts the question of whether Palestine possessed any organized military force akin to Israel. Research indicates that, unlike Israel, Palestine did not have a formal, traditional army. However, following Israel's occupation of Palestine, armed groups, and military factions with ties to Palestinian causes persisted, such as the Palestine Liberation Organization (PLO) and its armed wing, the Palestine Liberation Army (PLA).

These groups engaged in armed resistance, guerrilla warfare, and other military activities.

It is crucial to emphasize that the situation is highly intricate, involving the direct or indirect participation of numerous small and large international countries in this conflict.

Another pertinent question arises: Has Palestine ever conducted aerial attacks on Israel? The unequivocal answer is "No." Given Palestine's absence of an Air Force, launching aerial attacks on Israel is implausible. Conversely, Israel possesses a modern Air Force, technologically on par or superior to those of the world's advanced nations and has conducted multiple aerial attacks in the region.

Now, a related question arises: Does Palestine possess heavy artillery, tanks, or the capability to launch such attacks? Once again, the answer is a resounding "No." As an occupied territory, Palestine lacks heavy artillery and tanks. In other words, Palestine does not possess military capabilities comparable to Israel. In contrast, Israel boasts a well-equipped military with a diverse array of military equipment, including tanks, armored vehicles, and heavy artillery.

22. SETTLERS:

As we delve into the topic, another term frequently heard in international news and electronic media is "Settlers." Let's endeavor to comprehend what the term "Settlers" means and who it refers to in the region.

According to research, the term "Settlers" signifies "population" and is used to denote Israeli citizens who have been unlawfully settled in communities in the occupied Palestinian territories, particularly in the West Bank. These settlements of Jewish settlers in areas long inhabited by Palestinians are considered illegal under international laws.

Expanding on this, another question arises: How many Palestinians have been forcibly displaced by Israeli forces, seizing control of their regions through military force?

Research findings indicate that, over the past 75 years, because of the Israel-Palestine conflict, a substantial number of Palestinians have been compelled to relocate.

The forced eviction of Palestinians from their settled settlements for years did not begin after the establishment of the State of Israel on May 14, 1948, but the eviction of Palestinians began in 1917. This can be corroborated by the British Foreign Secretary Arthur Balfour's letter to Lord Rothschild, the influential leader of the Jewish community in Great Britain, on November 2, 1917, while World War I ended on November 11, 1918, it was written 1 year prior to the end of WW-I. At that time, the King of Great Britain was George V, whose full name was George Frederick Ernest Albert.

During that time, the British Empire defeated the Turkish tribes of the Ottoman Empire and occupied Palestine. In his letter to Lord Rothschild, Arthur Balfour proposed to build a "national home" in Palestine for the Jews living around the world and wrote that "On behalf of the British Government, I am sending this statement in support of the Zionist Jews which was placed before the Cabinet and was approved". It clearly meant that the people of Palestine should be forcibly evicted from their ancient homeland and that the Jewish community should be settled there.

23.British Mandate:

The British mandate refers to a legal arrangement by the League of Nations (later known as the United Nations) in the aftermath of the First World War that granted Britain the administration and control over territories in the Middle East that were previously part of the defeated Ottoman Empire. These territories included Palestine (which later became Israel and Palestine territories), Trans Jordan (which later became Jordan) and Iraq. The British Mandate aimed to establish a temporary rule and facilitate the development of self-governance in these territories.

24. Nakba 1948:

The Arab Israeli War of 1948, also known as the War of Independence, wrought profound consequences for the Palestinian people, displacing hundreds of thousands in its wake. This conflict unfolded after the establishment of the state of Israel and is encapsulated in the term "Nakba," an Arabic word denoting "Catastrophe," as coined by the Palestinian population. Following this tumultuous event, Israel embarked on a gradual territorial expansion into Palestinian lands, perpetuating the displacement of Palestinians through a series of campaigns. The enduring repercussions of this forced migration persist to the present day, shaping the complex and ongoing narrative of the Israeli-Palestinian conflict.

25. A Brief History of the Suez Canal:

The Suez Canal Crisis of 1956 stands as a pivotal international event, necessitating a contextual exploration of the historical and geographical underpinnings of the Suez Canal.

Situated in Egypt, the Suez Canal has served as a crucial maritime conduit for centuries. Until 1517, Egypt was under the rule of the Mamluk Empire, succeeded by the Ottoman Empire, which was defeated by the British Empire. The British Empire's control over Egypt from 1882 to 1952 marked a significant era, culminating in Egypt's declaration of independence on July 23, 1952.

Regardless of the ruling power—be it Mamluk, Ottoman, or British—the Suez Canal region has consistently been integral to Egypt's geography. Linking the Mediterranean Sea to the Red Sea, the canal has long facilitated expeditious maritime trade between Europe and Asia. Its strategic and economic importance has been underscored by the collection of transit fees and the trade of precious metals and gemstones, making it an important center of attraction for the past and present countries in the world.

26.The Suez Canal Crisis:

The genesis of the Suez Canal Crisis can be linked back to post-independence from the British Empire. Egyptian President Gamal Abdel Nasser's decision to nationalize the canal was to incorporate the canal into the national sphere. In retaliation, a clandestine alliance comprising Britain, France, and Israel sought to regain control of the canal and depose President Nasser. In October 1956, Israel, backed by Britain and France, launched a formidable assault on Egypt.

This tripartite aggression was strongly condemned by international actors, notably the United States and the Soviet Union. The United Nations intervened, demanding an immediate ceasefire and compelling British, French, and Israeli forces to withdraw. The Suez Canal Crisis wielded a profound impact on the Middle East's geopolitical landscape, minimizing British and French influence while amplifying the roles of major powers such as the United States and the Soviet Union.

After the 1956 Suez Crisis, Israel asserted control over territories previously administered by Arab countries and Palestinians. Notably, Israel occupied the Sinai Peninsula, formerly under Egyptian jurisdiction, and the Gaza Strip, previously administered by Egypt. The fluid dynamics of the region have since undergone continual transformations, witnessing Israel's gradual territorial expansion juxtaposed with a diminishing space originally designated for Palestinians prior to the state's establishment.

27.Red Sea:

Before delving into the intricacies of the Arab Israeli War of 1967, widely known as the Six-Day War, it is essential to illuminate the factors that catalyzed this conflict.

For the benefit of the new generation, students, and readers, let's commence by gaining an understanding of the Red Sea (البحر الأحمر). The Red Sea is a significant body of water positioned between Africa and the Arabian Peninsula. Linked to the south by the

Bab el Mandeb Strait, connecting with the Gulf of Aden, it shares its boundaries with nations such as Egypt, Sudan, Saudi Arabia, Yemen, and Jordan.

28.Blockade of the Straits of Tiran – May 1967:

The Straits of Tiran represent a narrow passage in the Red Sea, often denoted as " آبنائے تیران" (Abna-e-Tiran). Specifically encompassing the Sinai Peninsula and Tiran Island, this region serves as the Straits of Tiran—a vital maritime route connecting the Gulf of Aqaba with the Red Sea. Israel historically utilized the Straits of Tiran for maritime navigation.

In May 1967, against a backdrop of escalating tensions, Egypt blockaded the Straits of Tiran in the Red Sea, a move interpreted by Israel as a threat to its security. Consequently, Israel mobilized its forces to lift the blockade, marking the inception of events that would lead to the Arab-Israeli War of 1967.

This war is also known as the "1967 War" which was fought between Israel and the coalition of Arab states, which included Egypt, Jordan, and Syria among other Arab states.

29.Arab-Israel War – June 1967:

The establishment of Israel in 1948 laid the foundation for mounting tensions between Israel and Arab states over the ensuing years. June 1967 witnessed a pivotal juncture with the outbreak of the Arab-Israeli War, commonly known as the Six-Day War. Unfolding from June 5 to June 10, 1967, this conflict pitted Israel against Arab countries, including Egypt, Jordan, Syria, and others.

Israel emerged triumphant, achieving significant military successes and securing control over various territories. Post-war, Israel occupied the Sinai Peninsula, Gaza Strip, West Bank, East Jerusalem, and the Golan Heights. Notably, in 2005, Israel withdrew from

the Gaza Strip, relinquishing control over that territory. The ramifications of the Six-Day War persist, continually shaping the regional dynamics of the Middle East.

30. Difference between Jews and Zionists:

Jews:

Jews are individuals who are identified with the Jewish religion, culture, or ethnicity, forming a global presence. Judaism, one of the world's oldest religions, is centered on a belief in one God.

Zionists:

Zionists are Jews who align with the ideology of Zionism. While both Jews and Zionists acknowledge Prophet Moses (Musa) and revere the sacred Torah, Zionists go further by advocating for the establishment of a distinct homeland for Jews, which has already come into existence, and express aspirations for its expansion. Zionism encompasses an expansionist ideology.

31. Zionist Movement:

Zionism constitutes an organized nationalist political movement with the objective of establishing and preserving a separate Jewish homeland in the historical region of "Palestine." Originating in the late 19th century, specifically in 1897, Theodor Herzl, an Austro-Hungarian Jewish political leader and journalist, initiated the Zionist movement. Herzl was born in the town of Budapest, in the Austrian Empire of Western Europe. In 1896, Theodor Herzl issued a famous pamphlet called Der Judenstaat (the Jewish State in English), through which he presented the idea of a separate Jewish homeland, which became very popular among the Jewish population around the world.

He was the pioneer of the idea of a dedicated Jewish state. Although the efforts to establish a separate Jewish state in the ancient area of Palestine were ongoing before the establishment of the Zionist Movement, after the establishment of the Zionist

Movement in 1897, the efforts to establish a Jewish homeland in the Palestinian area intensified. Its primary goal was the establishment of a sovereign Jewish state in the historic area of Palestine.

32.Zionist Movement's Goals:

The Zionist Movement aimed to create a distinct and enduring state for Jews, offering an escape from historical oppression and violence. The movement formally commenced activities with the First Zionist Congress in Basel, Switzerland, in August 1897, where Jews from diverse countries participated. Theodor Herzl was appointed as the first president of this Nationalist Zionist Movement. The Zionist Movement, led by Theodor Herzl, transformed into an organized effort to secure a homeland for Jews in Palestine.

Despite widespread global support among Jews for the concept of a homeland, not all Jews endorse Zionism. Recent global protests surrounding Israel and Palestine have highlighted tensions involving Jewish individuals who oppose Zionism, emphasizing the significance of the distinction between Jews and Zionists.

Dear readers, especially the new generation, students, and learners!

You are likely informed about recent developments in the Israel-Palestine conflict, resulting in global protests in support of Palestine. These protests involve participation from Jewish individuals, both supporting and opposing Zionism. I believe that the information provided has given you a clear understanding of the distinctions between Jewish individuals and Zionist Jews.

Dear esteemed readers,

I would like to request your attention. If you find terms challenging to comprehend while reading this research paper, please consider using resources such as Google, Wikipedia, or your local library for further exploration.

Before concluding, I want to emphasize that revisiting the information is crucial for a better understanding. The details presented here are meant not only to be read but also to be thoroughly understood, even if it requires consulting relevant maps for clarification.

This may prove to be helpful for the reader in expanding on the current research. In my opinion, it is necessary to revise them. The following facts must be read and understood carefully, for example:

a. How many square yards or meters did the Palestinian Territory consist of in 1917? To know, you must refer to Google, Wikipedia or (AI,) i.e., Artificial Intelligence:
b. When the Ottoman Empire ended in 1918, control of Palestine was taken over by the British Empire. Since then, how many areas of Palestine did the British Empire capture, until the beginning of 1922, or how many more areas of Palestine did the British Empire occupy by force and settle more Jews there?

For thorough information about this, you must refer to "Google" or "Wikipedia" and not only read the text mentioned in it but also look at the related maps to understand it more clearly.

In the annals of history, it stands as an incontrovertible truth that, pursuant to the League of Nations Mandate, Britain held dominion over Palestine, a legal status conferred on July 14, 1922, and enduring until May 14, 1948. It was on this fateful day that an independent Israeli state emerged within the precincts of Palestine.

Dear esteemed readers!

I implore you to delve into the inquiry of how, spanning from 1918 to May 14, 1948, additional territories in Palestine were annexed and Jewish settlements were established under the nomenclature of "Settlers." To gain insight into this, please consult maps on Google. It is crucial to underscore that in 1918, the Jewish populace in Palestine constituted a mere 6%, escalating to 33% by 1947. The establishment of the State of Israel on May 14, 1948, triggered Arab-Israeli conflicts, resulting in the

occupation of 78% of historic Palestine. The 1967 Six-Day War saw Israel's annexation of the entire historical Palestine, culminating in the coerced displacement of approximately 300,000 Palestinians.

After the establishment of the State of Israel in 1948, from 750,000 to 900,000 Palestinian men, women and children were displaced, evicted from their homeland and Jews were settled there or the remaining areas were razed.

Esteemed Readers!

Now, as this research paper moves on, I have already written about the Israel-Palestine conflict and the fact that after the establishment of the state of Israel, small and large wars continued to rage between Israel, Palestine, and the Arab states.

Esteemed readers!

Let us press ahead within this discourse. I have illuminated the enduring conflicts between Israel and Palestine from May 14, 1948, to 1982. A myriad of wars, both major and minor, unfolded during this epoch, encompassing the 1948 Arab-Israeli War, the 1956 Suez Crisis, the 1967 Six-Day War, the War of Attrition from 1967 to 1970, the 1973 Yom Kippur War, and the 1982 Israel-Lebanon War, alongside various smaller skirmishes.

Esteemed readers!

Now, I present additional historical facts for your contemplation. Feel free to verify and acquire further information using Google, Wikipedia, or Artificial Intelligence.

33.Historical Oslo Accord:

The Oslo Accord, renowned as the Peace Accord, embodies a series of historic agreements made between Israel and the Palestine Liberation Organization (PLO) in the early 1990s. One of the "goals" of these agreements was to prepare a framework for peace negotiations between the Israel and Palestine conflict, while the other was to

establish a road map for the resolution of the Israeli-Palestinian conflict. A framework for continuing the peace talks and a road map for their solution had to be prepared.

The negotiations under this accord commenced in Oslo, Norway, concluding on August 20, 1993. After agreeing on the roadmap of this initial agreement in Oslo, the representatives of Palestine and Israel signed it in the presence of the United States of America and Russian Foreign Ministers.

The formal signing transpired in Washington, D.C., on September 13, 1993, in the presence of then-U.S. President Bill Clinton. This accord was signed by PLO Chairman Yasser Arafat from the Palestine side, while Israeli Prime Minister Yitzhak Rabin signed from Israel.

34.The Oslo Accord comprised two pivotal components:

The Oslo Accord consisted of two parts: "Declaration of Principles" (DoP.) followed by an "Interim Accord," also known as the Oslo Accord 2.

According to the Declaration of Principles (DoP), a framework was presented to resolve the Israeli-Palestinian conflict and achieve lasting peace in the region. According to this accord, the Palestinian Interim Self-Government in the West Bank and Gaza formed the establishment of the Palestinian Authority as an interim autonomous body.

The Interim Accord was inked in Taba, Egypt, in 1995. It was decided that in the areas of Palestine, i.e., the West Bank and parts of Gaza, Israeli forces would withdraw their occupation and the establishment of Palestinian sovereignty would be formed in those areas.

Issues, such as the recognition of Israel by the PLO were included in the accord agenda.

The Oslo Accords were seen as an important step towards peace; therefore, an interim arrangement was agreed upon for a period of five years. Final negotiations were to be held by May 1996 to resolve the primary issues of the conflict during this five-year

interim arrangement. The final resolution of the conflict remains a complex issue to this day.

It is pertinent to note that leaders who played their role in the completion of the Oslo Accord met tragic fates. Israeli Prime Minister Yitzhak Rabin was assassinated on November 4, 1995, at the culmination of a rally endorsing the Oslo Accord. While Yasser Arafat, the leader of the Palestinians and the chairman of the Palestine Liberation Organization (PLO), was poisoned with the radioactive metal polonium, due to which his condition deteriorated day by day, he was finally admitted to a French hospital for treatment where he died on November 11, 2004.

35.Hamas Rocket Attacks on Israel - October 7, 2023

On October 7, 2023, Hamas initiated a series of rocket attacks on Israel, resulting in the tragic loss of more than 1300 lives, including men, women, innocent children, and Israeli soldiers. Thousands were left injured, and a significant number of structures, ranging from residences to larger buildings, were obliterated. The global community not only condemned these attacks but also extended heartfelt condolences and solidarity to the affected Israeli civilians.

It is evident that a majority of the world disapproved Hamas' actions, with a substantial portion of the international community vehemently opposing the assault, leading to widespread protests and the prevailing question of the origin of the thousands of rockets and paragliders used by Hamas and which country helped them in achieving and initiating the attacks. Furthermore, there is scrutiny about why Hamas seemingly did not contemplate the potential consequences and Israeli responses, including contingency plans such as Plan B and Plan C, before launching the rocket attacks. Why did Hamas and its associates not think about Israel's military operations and counteroffensives, and finally, what eventualities will the innocent Palestinian people have to face?

Israel, which had already gained control over more than 90% of areas of Palestine, utilizing heavy weaponry, tanks, and airstrikes, demonstrated Israel's superiority in war. Apart from this, Israel has received not only diplomatic support but also military assistance from major, affluent, and influential nations worldwide. This assistance encompassed not only diplomatic backing but also military aid, involving naval vessels, long-range missiles, advanced weaponry, and more.

Support for Israel is diverse and comes from some of the world's largest, wealthiest, and most powerful nations, including the United States, the United Kingdom, and nearly all Western countries. In contrast, Palestine lacks such extensive support from any nation. Islamic countries, having gained independence from British rule, have continued to depend on the support of the United States, the United Kingdom, and Western nations, along with their military arsenal, and there is no denial to the fact that they are still unable to produce modern military equipment.

Despite Pakistan's development of nuclear weapons and missiles, it's essential to note that Pakistan outsources the necessary minerals, technological instruments, metals, and chemical materials from the United States, the United Kingdom, and Western countries. This indicates that Pakistan currently lacks the capability to conduct independent scientific research and create new technologies. However, it can import finished products and assemble them, but this falls short of true indigenous innovation and cannot be called as its own invention.

The discussion of rocket attacks, including the use of Paragliders by Hamas on Israel, requires revisiting prior reading above, and therefore raises additional questions for consideration:

1. Has there ever been an attack by Palestine on Israel in the way Hamas did on Israel on October 7, 2023?

2. There is not only one group but several groups that are struggling for the freedom of Palestine. Did any of them launch such many rockets on Israel before the rocket attacks by Hamas on October 7, 2023?

3. In response to the Hamas attack, why and how are the air, naval and ground attacks by Israel on those Palestinian territories that remained safe from Israeli occupation are still being carried out since October 8, 2023, even after more than a month has passed? Due to these attacks by Israel, more than 11 thousand Palestinian men, women and innocent children were killed and more than 100,000 were injured and while this writing goes on, hundreds of people are being killed and injured every day.

4. After the establishment of the state of Israel in 1948, how many times did Palestine conduct air, land, and sea attacks on Israel?

5. How many settlers have been killed or injured in Palestinian attacks on Israeli settlements?

6. From 1948 to today, how many Israeli territories did Palestine occupy by attacking Israel?

7. How many Israelis have been forcibly displaced from their homes due to Palestinian attacks?

8. How many Israeli settlements were demolished by Palestine?

9. How many Israeli settlements did Palestine settle in the name of settlers?

10. How many major and minor wars have occurred between Israel and Palestine, and what has been the casualty count on both sides?

These questions aim to provide a comprehensive understanding of the historical context, shedding light on the intricate dynamics between Israel and Palestine.

Another question is: after the attack by Hamas on October 7, 2023, the attacks that Israel has carried out so far, which are still ongoing as I am writing this paper, the latest situation in Palestine has become extremely horrible; wouldn't it be just to call it as one of the greatest tragedies in the human history?

The destruction in Palestine today has led to the falling of hospitals for the dead and wounded; non-availability of medicine, no water, no gas, no electricity, and no food/drink items available, nor other daily necessities.

REPLACE ABOVE WITH THE FOLLOWING

The destruction in Palestine today has led to the failure of hospitals for the dead and wounded and the non-availability of medicine, water, gas, electricity, food/drink items and other daily necessities.

Aiding agencies trying to make the relief supplies accessible have been prevented and abandoned. Who is stopping them from reaching the Palestinians who survived in the affected areas?

Where are the champions of human rights? Where is the United Nations? Where is the United Nations Charter of Fundamental Human Rights? Why are the orders and appeals of UN Secretary General Antonio Guterres not being implemented? Isn't it correct to suggest that the existence of the United Nations itself is a question mark? Where has the conscience of global humanity been buried?

Dear Readers!

We have suffered immensely after World War I and II, but unfortunately, we have not learned any lessons to this date. Why don't we think that war is destined to be

destructive and catastrophic and does not solve any problem but rather destroys the welfare of humanity?

Why don't we wake up our sleeping conscience in the wake of barbaric wars and the loss of human lives and properties? When will we finally come out of racial, lingual, and regional prejudices? When will the world come out of hatred on religious grounds and move forward to establish religious tolerance and harmony?

Reaching this point in time in the present world, it should be a mutual consensus that anything above all things is "**only respect for humanity**". Nothing but respect for humanity. To create respect for humanity, why don't we think according to our conscience, when will we play our own positive role for the respect of humanity? A question every human being must ask of one's own self.

36. PROSPECT FOR THE FUTURE: (Outcome)

The summary and conclusion of the writing entailed the truth and the bitter truth!

The population of people living around the world from 1940 to date 2023 has reached approximately 2.3 billion to 8.0 billion. The details are as follows:

1940	Approximately	2.3 billion
1950	Approximately	2.5 billion
1960	Approximately	3.0 billion
1970	Approximately	3.7 billion
1980	Approximately	4.4 billion
1990	Approximately	5.3 billion
2000	Approximately	6.1 billion
2010	Approximately	6.9 billion
2020	Approximately	7.8 billion
2023	Approximately	8.0 billion

Similarly, from 1940 to 2023, with each decade, there has been an increase in the number of countries.

1940	Approximately	73
1950	Approximately	76
1960	Approximately	106
1970	Approximately	130
1980	Approximately	150
1990	Approximately	175
2000	Approximately	192
2010	Approximately	194
2020	Approximately	195
2023	Approximately	195

Dear esteemed readers,

It is worth reflecting on the fact that, as of 2023, there has been no third world war following the First and Second World Wars. This notable absence of global conflict has ushered in a paradigm shift, steering away from reliance on warfare and confrontation towards the adoption of dialogue and negotiation as strategies to resolve disputes. The earnest endeavors to comprehend and address conflicts, along with the acceptance of opposing perspectives, have paved the way for diplomatic resolutions, giving rise to new countries across the globe. Consequently, the world has, thus far, remained secure from the specter of a third world war.

Had conflicts been exclusively resolved through warfare and opposing parties remained steadfast in their divergent views, the world would have been ensnared in a perpetual cycle of war. This scenario parallels the longstanding Israel-Palestine conflict that has persisted for 75 years. Regrettably, a viable solution to this conflict has eluded us, notwithstanding the destruction, devastation, and loss of lives. Continued avoidance of conflict resolution discussions and the refusal to acknowledge each other's existence would have precluded the emergence of new independent nations on the global map.

Returning to the ongoing Israel-Palestine conflict, I aim to articulate my thoughts and perspectives based on research and understanding. It is imperative to acknowledge that readers may concur or disagree with my views, and both deserve equal respect. The freedom to express thoughts and ideas is a cherished right, and if I value this right for myself, extending the same consideration to others becomes paramount.

Dear esteemed readers!

Throughout my writing, I have strived to illuminate the historical facts surrounding the Israel-Palestine conflict. The judgment of whether I have succeeded in this endeavor rests with you.

Now, allow me to condense my discourse further. As emphasized previously, Israel attained independence in 1948, coinciding with the commencement and conclusion of the Arab-Israeli war in the same year and ending in 1949.

Dear esteemed readers,

I urge you to focus your attention and contemplation on the aftermath of the Arab-Israeli war. The Arab League suffered defeat, and Israel emerged victorious. However, Israel's victory precipitated another crisis, expanding its control over additional Palestinian territories granted by the United Nations. This expansion compelled millions of Palestinians to become refugees, intensifying the predicament.

Let us delve into the repercussions of these wars for Israel and the ordeal endured by Palestinians. Prolonging the debate over which side suffered would only perpetuate an inconclusive discussion, resulting in further loss of innocent lives.

Therefore, I propose to present the solution to enduring the Israel-Palestine conflict in light of my philosophy of "Realism and Practicalism". Considering the ground realities of the enduring Israel-Palestine conflict, the facts described above become imperative for formulating future strategies that can bring an end to this protracted cycle of war.

Dear esteemed readers,

Allow me to pose some questions in statement form:

1. Is it not a ground reality that Israel receives support from the governments and powerful elites of the United States, Britain, and Western countries?

2. Is it not a ground reality that Palestine has no practical support from any country, including the governments of Islamic countries and powerful elites, except for one or two countries?

3. Is it not a ground reality that out of the total 193 member countries in the United Nations, 164 member countries have recognized Israel as an independent state?

4. Is it not a ground reality that amongst one of the major superpowers, Russia, officially recognized Israel as an independent state on May 17, 1948?

5. Is it not a ground reality that another superpower, China, also officially recognized Israel as an independent state on January 24, 1992?

6. Is it not an undeniable reality that Israel has earned recognition as a state from both the United Nations and 164 member countries? Despite numerous treaties, Palestine, in contrast, has yet to secure recognition as an independent and sovereign state, either from the United Nations or any other country. Is this fact no less than a tragedy?

7. Is it not a reality that, up to this point, although Islamic countries, including "Pakistan," have refrained from officially accepting the existence of the state of Israel but can we ignore the existence of unofficial or covert relations that these countries may maintain with Israel?

8. Is it not a reality that, amid the ongoing Israel-Palestine conflict, not a single Islamic country has openly presented a robust and clear action plan in support of Palestine in practical terms?

Dear esteemed readers!

Considering the points and questions raised, it becomes evident that the existence of Palestine dates back thousands of years, while Israel has emerged as a ground reality in the past 75 years. Among the 164 member countries of the United Nations, Israel has gained recognition as an independent and sovereign state. Therefore, the ground reality of today is that the existence of Palestine and Israel has become a reality.

I would like to present my viewpoint to all major and influential entities, including the United Nations, suggesting a reconsideration of the United Nations' Partition Plan. This plan currently allocates 55% of the territory to the Jewish state and 45% to the Arab state. In light of the facts stated above, I propose that Israel should get 45% and Palestine 55%, leading to the establishment of an independent and sovereign state for ancient Palestine. If there is no consensus on my perspective, at the very least, a foundation should be laid for the establishment of an independent and sovereign state for ancient Palestine, similar to how the United Nations acknowledged the state of Israel.

This way, the continuing bloodshed of innocent people in this region can be halted for an indefinite period, and sustainable and permanent peace can be established in the region.

I would like to present my further suggestions about the solution to the current Israel-Palestine conflict according to my philosophy, "Realism and Practicalism".

The Israel-Palestine conflict is a complex and sensitive issue that will require the involvement and cooperation of both sides as well as the international community. Below are some recommendations to help move towards a peaceful and amicable resolution.

Dear esteemed readers,

In this research paper, I endeavor to champion the principles of my philosophy of Realism and Practicalism, within my philosophical framework. My goal is to advocate for the elimination of conflicts, prejudices, hatred, malice, and animosity that persist globally. Grounded in historical context and awareness of present realities, my objective is to address the concerns prevalent in every nation, seeking to quell unrest, eliminate rights deprivation, eradicate discrimination based on color, race, religion, and gender, and foster wholehearted acceptance of one another. I advocate for dialogue and negotiation as alternatives to conflicting thoughts.

Additionally, I propose a strategic approach to end religious extremism, promote religious tolerance, eliminate gender discrimination, and dispel notions of superiority and inferiority.

Dialogue and Negotiation:

As I have explained in detail, this conflict can be resolved only by accepting each other's existence, ending the war, and taking the path of dialogue. It is an obligation on the United Nations and the international community, especially the major powers, to urge the parties to engage in direct negotiations in the presence of mediators and to address their grievances to prevent further loss of human lives and destruction. Pave ways for common ground-redress and conflict resolution. Open and honest communication is essential to understanding each other's points of view.

Two-state solution:

To protect more precious lives in the region and to avoid the situation of war and conflict on a permanent basis, the policy of "live and let live" should prevail.

This policy fosters the recognition of each other's existence. As the United Nations itself is a supporter of a diplomatic solution in the form of two states, I believe it is the need of the hour for the parties to stop the bombing and attacks and move forward accepting the internationally recognized two-state solution, where Israel and Palestine live together with secure borders. They can live as independent states while respecting the existence of each other.

Respect for human rights:

In my opinion, respect for humanity is above color, race, religion, belief, and regional affiliation; therefore, it is the need of the time that all the nations living in the region should transcend the distinction of color, race, religion, and belief for the survival of humanity. Respect and prioritize the protection of human rights. Respecting humanity, equality, justice, and international law and giving every nation the right to live with

dignity and freedom can help establish everlasting and sustainable peace in every region.

International Support:

The international community, the United Nations, and the big, rich, and powerful countries should play an active role in terms of ceasefire and lasting peace, and this process can only be done through diplomatic efforts, economic assistance, and security guarantees.

Remember, achieving peace in the region is a complex task that requires commitment, patience and understanding from all parties. We must not forget the fact that no nation can occupy an area by force. A region can be made an occupied territory, and the people living in the occupied area can be subjugated, but it cannot eliminate the existence of any other nation through force.

I specifically call upon the United Nations, established on October 24, 1945, to fulfill its role effectively. The UN's founding mission was to eradicate all forms of oppression, tyranny, and barbarism globally, preventing catastrophic consequences such as those witnessed in the two World Wars and averting future global conflicts. The Charter of the United Nations should serve as a guiding principle for nations worldwide.

On a personal level, I am committed to resolving conflicts globally through peaceful means. My aspiration is to witness the practical implementation of justice and a fair system on a global scale. Concurrently, my message is an end to war, the complete resolution of conflicts, and the establishment of enduring peace. In essence, my mission is grounded in promoting love through peace and rejecting hatred borne out of war.

I have briefly outlined the facts and my suggestions pursuant to my philosophy of Realism and Practicalism-the solution to the Israel-Palestine conflict as well as the establishment of permanent and sustainable peace in the region. A formula or plan has also been presented.

Dear esteemed readers,

My philosophy of Realism and Practicalism entails that it is necessary to find out which things in the world are beneficial to humans and which are harmful, and grasping knowledge into it, whatever is beneficial for humankind should be adopted or used in practice.

For instance, whatever is harmful to humans should be distanced, shunned, or avoided simultaneously. If something harmful can be used for the benefit of humans, then what is the practical way to use it for the survival of humanity and for a greater purpose. To prevent its adverse reactions, proper measures should be taken. A further explanation is that if something harmful can be used for the betterment, survival, safety, and well-being of humans, then we must take care of how that harmful thing should be used and what measures can be taken to protect the human being from the process of harm.

For example: Uranium, with the symbol "U", is an element that can be used to generate electricity, and on the other hand, most destructive nuclear weapons can be made from it. Similarly, mercury, whose symbol is "Hg", is used in thermometers for measuring human body temperature, sphygmomanometers for measuring human blood pressure, and barometers for measuring air pressure. On the other hand, mercury is toxic to human health and the environment due to its poisonous element, yet it is used for the welfare of humanity with stringent precautions and necessary measures.

Esteemed readers,

As you reflect upon my research paper based on my philosophy of "Realism and Practicalism" in the context of historical facts, I implore each of you to make informed decisions according to your conscience. I entrust the judgment into your hands.

I humbly extend this request to all of you. If any of the statements I have made inadvertently caused offense, I sincerely ask for your forgiveness. To share your thoughts or provide corrections, please reach out to me at the email address provided below.

In the pursuit of global peace, conflict resolution, the survival of humanity, and particularly the enduring peace in the Middle East, let us unite in prayer.

Altaf Hussain

Founder and Leader
Muttahida Quami Movement (MQM)

International Secretariat (London)

185 Whitchurch Lane

Edgware, Middlesex

HA8 6QT

Email: mqm@mqm.org

Website: www.mqm.org

Phone: 0044 208 9527300

Twitter handle: @AltafHussain_90

PLEASE ADD MAPS AND PHOTOS

الصراع الإسرائيلي الفلسطيني

(Israel - Palestine Conflict)

في ضوء الحقائق التاريخية

بحث ومناقشة علمية/أطروحة

Thesis on Israel - Palestine Conflict in the)

(Light of Historical Facts

من

الطاف حسين

13 نوفمبر 2023

Revelations with Altaf Hussain translated by Mrs [illegible] Batool

القراء الأعزاء...! (Dear Readers)

ومن أجل فهم الصراع الإسرائيلي الفلسطيني، من المهم جدًا أن يعرف الشباب وطلاب التاريخ ما هي فلسطين؟... ما هي إسرائيل؟ ما هو الصراع الإسرائيلي الفلسطيني؟
متى نشأ الصراع بين فلسطين وإسرائيل؟
سأبذل قصارى جهدي للتعبير عن هذا الصراع بطريقة يمكن للطلاب وللأفراد من جميع فئات المجتمع فهمها بسهولة.

التاريخ الفلسطيني: (History of Palestine)

فلسطين هي منطقة ذات جغرافيا قديمة، حيث يعود تاريخها إلى فترة بعيدة جداً. تعود البداية في تاريخ فلسطين إلى الفترة التي يُشار إليها بما قبل الميلاد (BCE)، ويشير هذا الزمان إلى وجود أفراد في تلك الفترة البدائية الذين كانوا يُعرفون بالإنسان في فترة ما قبل التاريخ (Prehistoric Time). يُفهم BCE بمعنى أنه يمثل الوقت الذي كان فيه الإنسان يُعرف بع ما قبل التاريخ.

بكلمات واضحة وبسيطة، أين تشير كلمة "قبل الميلاد" BCE

إلى الفترة المعروفة عادة باسم العصر الحجري القديم (Old

Stone Age) يتم تعريف مصطلح "BCE" بثلاث طرق أو

في اللغة الانجليزية يمكن قول ذلك

ثلاث تعريفات لـ "BCE":

:(The Definitions Of BCE)

(١) قبل العصر المشترك (Before Common Era)

(2) قبل المضارع (Before Current Era)

(3) العصر المسيحي أي قبل عصر ما قبل الميلاد (Before Christ Era)

وتكشف دراسة كتب التاريخ عن وجود منطقة فلسطين أن منطقة فلسطين قديمة جدا لدرجة أنه توجد هنا آثار قوم عاشوا في العصر الحجري القديم. وطوال تاريخ فلسطين القديم، شهدت هذه المنطقة صعود وسقوط الإمبراطوريات

والحضارات المختلفة.

من هم الكنعانيون (Canaanites)؟

وكان الكنعانيون (Canaanites) أقدم سكان أرض فلسطين هذه. وبحسب الكتب التاريخية القديمة، كان هؤلاء الكنعانيون يتحدثون لغة "سامية" (Semitic-Speaking). وعاش هؤلاء الكنعانيون في منطقة تعرف باسم كنعان (Canaan). وبحسب يومنا هذا، كانت منطقة كنعان (Canaan) هذه تتألف من أجزاء من لبنان وإسرائيل وفلسطين والأردن وسوريا. ساهم هؤلاء الكنعانيون (Canaanites) في تحديث الممارسات الزراعية وشبكات التجارة وإنشاء دول المدن في أواخر "العصر البرونزي" (Bronze Age). وكان يعبد آلهة كثيرة في ديانة هؤلاء الكنعانيين.

إسرائيلي (Israelites):

يشير بنو إسرائيل إلى الشعب العبراني (Hebrew People) القديم الذي كان من نسل يعقوب بحسب الكتاب المقدس (Bible). والآن من المهم جدًا أن نفهم من هو حضرة يعقوب (عليه السلام).

حضرة يعقوب (عليه السلام) هو ابن حضرة إسحاق (عليه السلام). يمكن أيضًا فهم علم الأنساب على النحو التالي:

وابن إبراهيم (عليه السلام) (Hazrat Ibrahim A.S Or Abraham) هو حضرة إسحاق (عليه السلام) (Hazrat Ishaq A.S Or Isaac)، وابنه حضرة يعقوب (عليه السلام) (Hazrat Yaqoob A.S Or Jacob). وهذا يعني أن حضرة يعقوب (Hazrat Yaqoob A.S Or Jacob) كان حفيد حضرة إبراهيم (Hazrat Ibrahim A.S Or Abraham).

وكان لقب حضرة يعقوب حضرة إسرائيل
(Hazrat Israel A.S).

متى وكيف أطلق على يعقوب (عليه السلام) لقب إسرائيل؟

بحسب تاريخ الكتاب المقدس (Biblical History)، حدث مهم في حياة حضرة يعقوب (عليه السلام) وذلك الحدث هو أنه في إحدى الليالي جاء ملاك وصارع (Wrestling) حضرة يعقوب (عليه السلام) واستمرت هذه المنافسة طوال الليل.

وقد تغلب حضرة يعقوب (عليه السلام) على هذا الملك بعون الله، فأعطى الملك حضرة يعقوب (عليه السلام) لقب "إسرائيل". وهو ما يعني "من يقاتل بعون الله"

ويسمى حضرة يعقوب (عليه السلام) "يعقوف"(Yaakov) في العبرية(Hebrew)، و"يعقوب"(Yaaqoob) في العربية.

وكان لحضرة يعقوب 12 ولدا، ولذلك يُطلق على ذرية حضرة يعقوب والأحفاد القادمين منهم اسم "بني إسرائيل" أي

"بني إسرائيل" في اللغة الإنجليزية.

وظهر وجود بني اسرائيل (Israelites) إلى النور في منطقة

فلسطين حوالي القرن الثاني عشر قبل الميلاد.

وكان هذا التغيير في الاسم علامة على تغيير مهم في حياة

حضرة يعقوب (عليه السلام)، بعد أن بدأت دولة إسرائيل

وبدأ نسل حضرة يعقوب (عليه السلام) يعرف ببني إسرائيل.

وهم من نسل أبناء حضرة يعقوب (عليه السلام) الاثني عشر.

اسمحوا لي أن أشرح هنا أن حضرة إبراهيم (عليه السلام)

كان له ولدان، أحدهما اسمه حضرة إسماعيل (عليه السلام)

واسم الابن الآخر حضرة إسحاق (عليه السلام).

نشأ حضرة إسماعيل (عليه السلام) في مدينة مكة العربية،

بينما نشأ حضرة إسحاق (عليه السلام) في فلسطين.

الإمبراطوريتان الآشورية والبابلية:

(Assyrian and Babylonian Empires):

وفي القرن الثامن قبل الميلاد (8th BCE)، تم إنشاء

مملكتين أخريين في منطقة فلسطين هما آشور وبابل.

فترة AD:

"قبل أن نشرح فترة AD، يجب على الشبان الجدد أن نخبرهم بمعنى A D.

بالطبع، يعني AD "أنو دوميني"، وهو مصطلح للدلالة على الفترة "بعد الميلاد" (سنة بعد ولادة يسوع المسيح (A year after Jesus Christ was born) المعنى البسيط لهذا هو "جميع السنوات بعد ولادة عيسى عليه الصلوة والسلام "، يعني السنة التي أكتب فيها هذا المقال (Thesis) هي عام ٢٠٢٣ (AD 2023).

رأى إقليم فلسطين في العصور المسيحية صعود وانهيار عدة إمبراطوريات، وشهد تأثيرات واسعة النطاق للديانات العالمية وتأثيرات القوى الاجتماعية.

الإمبراطوريتان الرومانية والبيزنطية:

(Roman and Byzantine Empires)

سيطرت الإمبراطورية الرومانية على فلسطين في القرن 63 قبل الميلاد، وهكذا أصبحت فلسطين جزءًا من الإمبراطورية الرومانية. أصبحت جزءًا من الإمبراطورية البيزنطية في وقت لاحق، بعد تحول الإمبراطورية الرومانية الشرقية إلى الإمبراطورية البيزنطية (Byzantin Empire).

الدول الإسلامية: (Islamic Empires)

في القرن السابع الميلادي، قوات الخلافة الراشدة فتحت فلسطين ونشرت الإسلام في هذه المنطقة بأكملها. بعد ذلك، ظل هذا الإقليم، فلسطين، تحت سيطرة مختلف الأسر الإسلامية على مر القرون، بما في ذلك الأسرة الأموية (Umayyads) والعباسية(Abbasids) ، والفاطمية (Fatimids).

عصور الحكم الإسلامي في فلسطين:

1. فترة حكم الأمويين ... 661م إلى 750م (Umayyads)

فترة حكم العباسيين .... 750م إلى 1258م (Abbasids)

فترة حكم الفاطميين .... 909م إلى 1171م (Fatimids)

الحروب الصليبية: (Crusades)

من القرن الحادي عشر حتى القرن الثالث عشر، بدأت سلسلة من الحروب الصليبية حيث قام المسيحيون الأوروبيون بمحاولات للمطالبة بالأرض المقدسة بروشليم. عندما بدأ المسيحيون الأوروبيون هذه الحروب الصليبية، كانت القدس تحت سيطرة المسلمين. شكلت هذه الحروب تأثيرًا عميقًا على هذه المنطقة، وكانت واحدة من الأسباب التي أدت إلى تأسيس دول صليبية.

الدولة العثمانية: (Ottoman Empire)

في القرن السابع عشر، قامت الدولة العثمانية بفتح فلسطين وحكمت في هذه المنطقة لعدة قرون. خلال هذه الفترة، أصبحت القدس مركزًا هامًا للإسلام والمسيحية واليهودية.

الانتداب البريطاني: (British Mandate)

انتهت الدولة العثمانية أيضًا بنهاية الحرب العظمى (1914-1918)، وبعد ذلك، سيطرت بريطانيا على فلسطين تحت قيادة ولاية جامعة الدول.

في هذه الفترة، شهدت هجرة اليهود إلى هذه المنطقة من جميع أنحاء العالم ازديادًا، وزادت التوترات بين العرب واليهود أيضًا في هذه الفترة.

الآن أود أن أبلغ الشباب والقارئين الأعزاء حول أحدث التطورات في النزاع بين فلسطين وإسرائيل. بعد انتهاء

الحرب العظمى الأولى في عام 1918، أخذت الحكومة البريطانية السيطرة على فلسطين فماذا حدث بعد ذلك.

بلغت بعض النقاط الأساسية والضرورية المهمة قبل تقديم هذا البيان لتعزيز الفهم للشباب الجديد ولأولئك الذين يهتمون بالقضية. نعم، لقد سمعتم وقرأتم متعدد مرات عن الحرب العظمى الأولى والحرب العظمى الثانية. دعونا نعرف المزيد حول هاتين الحروب.

1 - الحرب العالمية الأولى:(First World War)

بدأت الحرب العظمى الأولى في 28 يوليو 1914، وانتهت في 11 نوفمبر 1918. هذه الحرب وقعت بين قوتين كبيرتين تُعرف باسم القوى الحلفاء (Allies powers) والقوى المركزية (Central Powers).

A - لقوى الحلفاء: (Allies Powers)

الآيز باورز" كانت تضم المملكة المتحدة، فرنسا، روسيا، الولايات المتحدة، اليابان، وإيطاليا.

B - القوى المركزية :(Central Powers)

"القوى المركزية " كانت تتألف من ألمانيا، النمسا، هنغاريا، بلغاريا، صربيا، والإمبراطورية العثمانية.

2 - الحرب العالمية الثانية:(Second World War)

بدأت هذه الحرب أيضًا بين مجموعتين كبيرتين في الأول من سبتمبر 1939ء وانتهت في الثاني من سبتمبر 1945ء.تعني أن هذه الحرب استمرت لمدة ستة سنوات ويوم واحد.

تُعرف إحدى الفرق بين مجموعتين كبيرتين بأسماء "أكسس باورز"(Axis Powers) و"الايد باورز".

والمجموعة الثانية تُعرف باسم "الانيد".

(A) آكسس باورز: (Axis Powers)

في آكسس باورز، شملت ألمانيا وإيطاليا واليابان.

(B) الانيد باورز: (Allied Powers)

في قوى الانيد، شملت فرنسا وبريطانيا العظمى والولايات المتحدة والاتحاد السوفيتي، بينما شملت الصين أيضًا إلى حد ما.

تأسيس جامعة الأمم:

(Formation Of League Of Nations)

تأسيس جامعة الأمم نتيجة لتعاون أكثر من 40 دولة لتحقيق السلام والعلاقات الدولية، حيث تأسست جامعة الأمم (League of Nations)في 10 يناير 1920، واختتمت رسميًا في 19 أبريل 1946.

تأسيس الأمم المتحدة:

Foundation of United Nations

أحضر تأسيس الأمم المتحدة في 24 أكتوبر 1945، حيث كانت عدد الدول الأعضاء الأولية فيها 51.

في الصفحات الأولى، تناولت إلى حد ما تاريخ فلسطين، ولكن الآن أرغب في إخبار الجيل الجديد والقراء الكرام عن كيفية تقسيم منطقة فلسطين.

(3) تقسيم منطقة فلسطين:

(Partition Of Palestine)

Revelations with Altaf Hussain translated by ...

كما ذكرت في كتابتي السابقة، بعد انتهاء الحرب العالمية الأولى في عام 1918، تولت المملكة المتحدة السيطرة على فلسطين تحت ولاية الانتداب البريطاني. الذي اضطر للعودة من الأراضي الفلسطينية بعد الحرب العالمية

الثانية أي عام1945.فماذا حدث بعد ذلك؟ من المهم أن نشرح بالتفصيل ما هو "وعد بالفور"؟ (Balfour Declaration)

(4)" عهد بالفور":(Balfour Declaration)

"عهد بالفور" إنه كان خطًا كتبه آرثر بالفور (Arthur Balfour) في عام 1917، حينما كان آرثر بالفور وزير خارجية الإمبراطورية البريطانية في تلك الفترة. آرثر بالفور في خطه عبّر عن دعم حكومة بريطانيا لإنشاء "منزل قومي لليهود" في فلسطين، (National Home For Jewish People) وكتب هذا الخط بتاريخ 2 نوفمبر 1917 إلى اللورد روتشيلد،(Lord Rothschild) قائد الجالية اليهودية البريطانية. واضح أن وزير الخارجية البريطاني كتب هذا الخط في الثاني من نوفمبر 1917،

وهو قبل عام واحد من انتهاء الحرب العالمية الأولى في 11 نوفمبر 1918. ومن المهم أيضًا أن نذكر هنا أن المنطقة التي ذكر فيها أرثر بلفور(Arthur Balfour) إنشاء وطن قومي للشعب اليهودي في فلسطين كانت منطقة عثمانية بها أقلية يهودية صغيرة. وليس من الضروري فحسب، بل من المهم جدًا أن نذكر هنا أن رسالة أرثر بلفور هي التي أدت إلى قيام دولة إسرائيل التي تأسست في 14 مايو 1948.

(5) الآن، يجب على القراء أن يأخذوا في الاعتبار أنه في 29 نوفمبر 1947، أصدرت الجمعية العامة للأمم المتحدة قرارها رقم 181 (والذي يمكن أن يسمى أيضًا القرار المتعلق بدور تقسيم فلسطين). وبموجب القرار 181، كان من المقرر تقسيم فلسطين إلى دولتين عربية ويهودية، وتم إعلان الجزء من فلسطين المعروف بالقدس (Jerusalem) ضمن

"الجسم النقطي" (Corpus Separtum) أي الجزء

المنفصل (Separate Entity) في القرار 181.والذي

سيكون تحت الحكومة الدولية الخاصة.

وهكذا تم تقسيم فلسطين إلى دولتين منفصلتين، أي الدولتين

العربية واليهودية، وتم إعلان القدس كجزء من الحكومة

الدولية، وأخيراً في 14 مايو 1948 تم إنشاء دولة إسرائيل

رسمياً.

(6) وقد اعترفت أكثر من 50 دولة في الأمم المتحدة بإقامة

دولة إسرائيل.

والآن أود أن أعرض بعض الحقائق أمام القراء، الذين قد

تشعرون بعد قراءتها أن تلك الحقائق المذكورة تُطرح عليكم

على شكل أسئلة. ولكن من المهم أيضًا تدوين هذه الحقائق

بهذه الطريقة حتى يتمكن الجميع من التفكير فيها ويمكنني

تقييم صحة أو زيف الحقائق المذكورة أو إبراز أي جانب

جديد آخر لمزيد من التصحيح في الحقائق التي ذكرتها.

والآن أمضي في كتابتي التي نسيت أن أكتب نقطة تاريخية مهمة في ضوء الحقائق التاريخية المذكورة حتى الآن. الذي أصفه هنا.

(7) حكمت الدولة العثمانية فلسطين حتى عام 1918.

والتفسير الآخر هو أن القبائل التركية (Turkic Tribesman) في الإمبراطورية العثمانية رفعت علم الإمبراطورية العثمانية على كامل فلسطين في عام 1517. وبقيت القبائل التركية في فلسطين حتى عام 1918، أي 402 سنة.

(8) احتلت الإمبراطورية البريطانية فلسطين لمدة 30 عامًا من 18 إلى 1948.

(9) في عهد بالفور ، رسالة كتبها وزير الخارجية البريطاني آرثر بال فور Arthur Balfour إلى زعيم الجالية اليهودية البريطانية، اللورد روتشيلدLord Rothschild، في 2نوفمبر 1917.وفيه أكد على بناء وطن قومي لليهود في فلسطين.

وفي 29 نوفمبر 1947، قامت الأمم المتحدة،

بموجب القرار 181، بتقسيم فلسطين إلى دولتين، الدولتين العربية واليهودية. وبعد ذلك تم تأسيس دولة إسرائيل في 14 مايو 1948.

(10) ولم يقتصر قرار الأمم المتحدة رقم 181 على إنشاء دولة إسرائيل في الأراضي الفلسطينية، بل شمل الأراضي الفلسطينية في الدول العربية أيضًا من خلال إلغاء الوضع الجغرافي القديم لفلسطين.

(11) ألا تفهمون أن الأمم المتحدة بهذه الطريقة تخلت تماماً عن حقوق الإنسان الأساسية للشعب الفلسطيني الذي يعيش في فلسطين منذ قرون؟

مزيد من الحقائق:

(12) والآن أود أن أطرح بعض النقاط الإضافية حول إقامة دولة إسرائيل التي تأسست في 14 مايو 1948.

لقد سبق أن شرحت مدى قدم أرض فلسطين بالتفصيل في كتابتي أنه أينما توجد منطقة فإنه لا يمكن إنكار وجود الإنسان وحتى لو كان وجود الإنسان مستحيلاً في منطقة أو منطقة فإن وجود إحدى الحشرات سيكون موجوداً حتماً هناك. ووفقاً للمبدأ نفسه، فإن فلسطين منطقة قديمة جداً، حيث سينتسب السكان الذين عاشوا لقرون طويلة أنفسهم إلى فلسطين. ومن الحقائق التي لا جدال فيها أن الأشخاص الذين يعيشون في جميع أنحاء العالم ينسبون أنفسهم إلى منطقة أسلافهم. ولذلك بدأ الشعب الذي يعيش في فلسطين النضال من أجل تحرير وطنه فلسطين برفضه الاعتراف بالقرار الأممي رقم 181. وهكذا، منذ 14 مايو 1948، بدأ الصراع بين إسرائيل وفلسطين، وهو ما يسمى بالصراع الطويل الأمد. وكما ذكرت سابقاً في كتابتي، فإن شعب فلسطين لم يقبل بتقسيم فلسطين، فبدأ النضال من أجل الحرية، الحرية وحدها، وهو مستمر حتى اليوم.

والآن دعونا نذهب أبعد من ذلك ونتحدث عما يحدث منذ قيام دولة إسرائيل في 14 مايو 1948 حتى اليوم.

(13) أليس صحيحاً أنه عندما تم الإعلان رسمياً عن قيام دولة إسرائيل في 14 مايو/أيار 1948، استخدمت إسرائيل القوة لضم ما تبقى من الأراضي الفلسطينية، والتي أعطيت للدول العربية بموجب قرار الأمم المتحدة رقم 181 والعديد من هذه الأراضي المناطق التي احتلتها إسرائيل وتم طرد آلاف الفلسطينيين الذين يعيشون هناك من منازلهم؟

وحتى اليوم، لا تزال إسرائيل تحتل هذه المناطق، لكن للأسف لم تتخذ الأمم المتحدة أي إجراء لإخلاء الأراضي الفلسطينية المحتلة، ولم تتخذ أي إجراء ضد إسرائيل في انتهاك للقرار 181 الذي اتخذته.

(14) واستمرت هذه السلسلة من الهجمات التي شنتها قوات دولة إسرائيل، وتم احتلال المزيد والمزيد من الأراضي الفلسطينية. لم تتزايد هجمات القوات الإسرائيلية مع مرور

كل يوم فحسب، بل بدأت إسرائيل أيضا في استخدام الدبابات المحملة بالذخيرة إلى جانب البنادق والأسلحة الصغيرة في هجماتها.

ويشهد العالم أجمع أنه كلما وحيثما هاجمت القوات الإسرائيلية المنطقة الفلسطينية، كان الشعب الفلسطيني والشباب الفلسطيني الذي يعيش في هذه المناطق يقاتلونها بالحجارة والقنابل اليدوية، ولكن كيف يقاتلون بأحدث البنادق والأسلحة الثقيلة من القنابل اليدوية؟ كم من الوقت يمكن القيام بذلك؟ ولذلك، في النهاية، لم يكن أمام الشعب الفلسطيني خيار آخر سوى إخلاء هذه المناطق. وبسبب هذه الهجمات الإسرائيلية، قُتل وجُرح عدد كبير من أبناء الشعب الفلسطيني، واضطر الشعب الفلسطيني إلى مغادرة مناطقه التي احتلتها القوات الإسرائيلية، واستقر الشعب الإسرائيلي في هذه المناطق.

قبل أن أواصل بحثي حول تاريخ الصراع الإسرائيلي الفلسطيني، أود هنا أن أعرض صور هذه الشخصيات المهمة. ونتيجة لمراسلاتهم، كثفت الإمبراطورية البريطانية جهودها من أجل إقامة إسرائيل مع مرور كل يوم، بعد اقتراح إنشاء وطن قومي منفصل لليهود في أراضي فلسطين.

ومن بين هذه الشخصيات المهمة، جانب واحد لديه صورة آرثر بلفور (Arthur Balfour) والجانب الآخر اللورد روتشيلد. (Lord Rothschild)

انظر صورة آرثر بلفور وصورة اللورد روتشيلد في الصفحات الأخيرة من الجريدة.

وبعيداً عن هذا، فإنني أقدم أيضاً للقراء صور خريطتين (Maps) تظهران السكان اليهود في فلسطين عام 1917 باللون الأزرق والسكان غير اليهود بما فيهم المسلمين يظهرون باللون الأخضر.

وبالمثل، هناك خريطة من عام 1918، حتى عام 1947،

تظهر زيادة في عدد اليهود في فلسطين.

انظر هذه الخرائط في الصفحات الأخيرة من الورقة.

القراء الأعزاء...!

لاحظ هنا أن الخريطة الأولى لعام 1917 تعود إلى وقت لم يتم فيه إنشاء دولة إسرائيل الرسمية وتم تأسيسها في 14 مايو 1948.

ويكشف التاريخ كذلك أنه عندما انهارت الإمبراطورية العثمانية في نهاية الحرب العالمية الأولى في عام 1918، وضعت عصبة الأمم (League of Nations) فلسطين تحت السيطرة الكاملة للإمبراطورية البريطانية في عام 1922 .

عندما سيطرت بريطانيا على فلسطين، زاد عدد السكان اليهود في فلسطين من ستة بالمائة إلى 33 بالمائة من عام 1918 إلى عام 1947، قبل إعلان دولة إسرائيل المنفصلة في 14 مايو 1948.

الحرب العربية الإسرائيلية الأولى 1948:

(First Israel-Arab War 1948)

وبعد قيام دولة إسرائيل عام 1948، اندلعت الحرب الإسرائيلية العربية الأولى، وانتصر فيها الجيش الإسرائيلي على قوات الدول العربية، واحتلت القوات الإسرائيلية 78 بالمئة من فلسطين التاريخية.

وبسبب هذا الاحتلال، تم إخلاء ثلاثة أرباع ملايين الفلسطينيين قسراً من منازلهم، واضطرت هذه العائلات النازحة إلى الاستقرار في غزة (Gaza) والضفة الغربية.

(West Bank)

بعد قيام دولة إسرائيل في 14 مايو 1948، وقعت العديد من الصراعات بما في ذلك الحروب بين إسرائيل والفلسطينيين. تشمل الحروب الكبرى الحرب الإسرائيلية العربية عام 1948، وأزمة قناة السويس عام 1956، وحرب الأيام الستة عام 1967، ووقف إطلاق النار من عام 1967 إلى عام 1970، مما يعني توقف كل من إسرائيل والعرب عن القتال. من 1967 إلى 1970 لإلغائها.

حرب يوم الغفران 1973:

(Yom Kippur War in 1973)

حرب يوم الغفران وقعت عام 1973 حرب يوم الغفران هي الحرب التي دارت في 6 أكتوبر 1973 بين إسرائيل والدول العربية، وخاصة مصر (Egypt)وسوريا. (Syria)

مزيد من التوضيح:

تُعرف هذه الحرب أيضًا باسم "حرب أكتوبر" أو "حرب رمضان"(Ramadan War)، وقد بدأت هذه الحرب في يوم الغفران المقدس لدى اليهود.

في 6 أكتوبر 1973، في يوم الغفران، شنت الجامعة العربية هذه الحرب لاستعادة الأراضي المحتلة من إسرائيل. التي احتلتها إسرائيل خلال حرب الأيام الستة عام 1967. وهكذا عبرت قوات التحالف العربي قناة السويس ودخلت شبه جزيرة سيناء. (Sinai Peninsula)

انزعجت إسرائيل في البداية من ذلك، لكنها أعادت تنظيم صفوفها وهاجمت من جديد ودفعت قوات التحالف العربي إلى الخلف، واستمرت الحرب حوالي ثلاثة أسابيع وانتهت في النهاية بوقف إطلاق النار. وأعقب ذلك الحرب بين إسرائيل ولبنان عام 1982.

والآن يطرأ في ذهني سؤال: مثلما أن لإسرائيل جيشا نظاميا، فهل لفلسطين جيش أيضا؟ ونتيجة البحث أود أن أبلغ جيل الشباب والطلاب والقراء أنه لم يكن هناك جيش تقليدي نظامي لفلسطين مثل إسرائيل، ولكن بعد احتلال إسرائيل لفلسطين تم استقلال فلسطين. يجب أن تكون القضية الفلسطينية قد تأسست. مثل منظمة التحرير الفلسطينية (PLO) وجناحها المسلح وجيش التحرير الفلسطيني (PLA). وهي مجموعات تشارك في المقاومة المسلحة وحرب العصابات وأنواع أخرى من الأنشطة العسكرية.

من المهم جدًا أن نذكر هنا أن الوضع معقد للغاية، كما أن العديد من الدول الدولية الصغيرة والكبيرة الأخرى متورطة بشكل مباشر أو غير مباشر في هذا الصراع. ويبرز هنا سؤال آخر: هل نفذت فلسطين هجمات جوية (Air Force) على إسرائيل؟ إذن الجواب بسيط وسهل للغاية، لا، لا على الإطلاق.

بما أن فلسطين ليس لديها قوة جوية، فكيف يمكنها شن هجوم جوي أو هجمات على إسرائيل؟ ومن ناحية أخرى، تمتلك إسرائيل القوات الجوية الأكثر تقدما في المنطقة، وهي أكثر أو تساوي من الناحية التكنولوجية بين الدول المتقدمة في العالم، وقد نفذت إسرائيل غارات جوية في المنطقة عدة مرات.

والآن هنا يطرح سؤال آخر أيضاً، هل تمتلك فلسطين القدرة على المدفعية الثقيلة (Heavy Artillery) والدبابات (Tanks)؟ لذا فإن الجواب هو لا، على الإطلاق. وباعتبارها أرضا محتلة، لا تمتلك فلسطين مدفعية ثقيلة ولا دبابات. بمعنى آخر، يمكن التوضيح أن فلسطين لا تمتلك نفس القدرات العسكرية التي تمتلكها إسرائيل.

ومن ناحية أخرى، تمتلك إسرائيل جيشا نظاميا، فضلا عن مجموعة واسعة من المعدات العسكرية بما في ذلك

الدبابات والمركبات المدرعة (Armored Vehicles) والمدفعية الثقيلة. (Heavy Artillery)

والسؤال الذي يتبادر إلى الأذهان هو أن مصطلحاً واحداً تردد كثيراً في الصحف العالمية ووسائل الإعلام الإلكترونية وهو مصطلح المستوطنين. (Settlers)

لذلك نحاول معرفة معنى المستوطنين (Settlers) وما يستخدمه الناس في هذه المنطقة. وبحسب البحث، فإن كلمة "مستوطنون" تعني "مستوطن"، ويستخدم مصطلح "مستوطن" للإشارة إلى المواطنين الإسرائيليين الذين تم جلبهم واستقرارهم في المستوطنات غير القانونية التي أقيمت باسم الطائفيين في الأراضي الفلسطينية المحتلة في الضفة الغربية (West Bank)، بما فيها القدس الشرقية. وكانت هذه مناطق فلسطينية ماهولة بالسكان منذ سنوات، وتم إخلاء الفلسطينيين منها قسراً.

وتعتبر هذه المستوطنات الاستيطانية اليهودية غير قانونية بموجب القانون الدولي. والسؤال الآخر الذي تبادر إلى ذهني أثناء الكتابة هو كم عدد الفلسطينيين الذين احتلتهم القوات الإسرائيلية بالقوة وأخلوا من منازلهم؟

وملخص ما توصل إليه البحث ردا على ذلك هو أن الصراع الإسرائيلي الفلسطيني أجبر الفلسطينيين على الهجرة بأعداد كبيرة على مدى 75 عاما الماضية.

ولم تبدأ سلسلة الإخلاء القسري للفلسطينيين من مستوطناتهم المستقرة لسنوات بعد إنشاء دولة إسرائيل في 14 مايو/أيار 1948، لكن سلسلة الإخلاء القسري للفلسطينيين هذه بدأت في عام 1917. والدليل على ذلك أن وزير الخارجية البريطاني آرثر بلفور (Arthur Balfour) كتب في الثاني من تشرين الثاني/نوفمبر 1917 رسالة إلى اللورد روتشيلد، (Lord Rothschild)

الزعيم المؤثر للجالية اليهودية في بريطانيا العظمى، وذلك قبل عام من نهاية الحرب العالمية الأولى. وكان ملك بريطانيا العظمى في ذلك الوقت هو جورج الخامس، واسمه الكامل جورج فريدريك أرنست ألبرت، (George Fredrick Ernest Albert) بينما انتهت الحرب العالمية الأولى في 11 نوفمبر 1918. في ذلك الوقت، هزمت الإمبراطورية البريطانية القبائل التركية التابعة للدولة العثمانية واحتلت فلسطين. كتب آرثر بلفور (Arthur Balfour) في رسالته إلى اللورد روتشيلد (Lord Rothschild) يقترح بناء وطن قومي في فلسطين لليهود الذين يعيشون في جميع أنحاء العالم.

"بالنيابة عن الحكومة البريطانية، أرسل إليك هذا البيان دعمًا لليهود الصهاينة والذي تم عرضه على مجلس الوزراء والموافقة عليه" يعني بوضوح أن شعب فلسطين يجب أن

يُجبر على ترك وطنه القديم. سيتم طرده واستقرار المجتمع اليهودي. هناك.

بعد احتلال الإمبراطورية البريطانية لفلسطين، سمحت عصبة الأمم (League Of Nations) رسميًا للإمبراطورية البريطانية بالسيطرة الكاملة على فلسطين تحت الانتداب البريتان (British Mandate) في عام 1920.

ومن عام 1920 إلى عام 1948، أي لمدة 28 عاماً، احتلت بريطانيا فلسطين بالكامل، وخلال هذه الفترة لم يتم طرد الشعب الفلسطيني قسراً من مستوطناته القديمة من الأراضي المحتلة في فلسطين فحسب، بل أيضاً خطط الاستيطان والإنشاء للدولة الإسرائيلية، وبموجب هذا بدأت أيضًا عملية توطين اليهود من جميع أنحاء العالم في فلسطين.

ومن عام 1920 إلى عام 1948، أي خلال 28 عامًا من عمر الإمبراطورية البريطانية، بدأت المستوطنات اليهودية

في التزايد بشكل أكبر لأن بريطانيا مُنحت سلطة السيطرة
على المنطقة العربية بأكملها تحت الانتداب البريطاني من
قبل عصبة الأمم. (League Of Nations)

برتش مینڈیٹ ...... (British Mandate):

The British Mandate refers to a legal arrangement by the League of Nations (later known as the United Nations) in the aftermath of First World War, it granted Britain the administration and control over territories in the Middle East, which were previously part of the defeated Ottoman Empire. These territories included Palestine (which later became Israel and Palestine territories) Trans Jordan (which later became Jordan) and Iraq. The British Mandate aimed to establish a temporary rule and facilitate the development of self-governance in these territories.

الانتداب البريطاني:

يشير الانتداب البريطاني إلى الترتيب القانوني الذي اتخذته عصبة الأمم (المعروفة فيما بعد باسم الأمم المتحدة) في أعقاب الحرب العالمية الأولى، والذي منح بريطانيا الإدارة والسيطرة على مناطق في الشرق الأوسط، والتي كانت في السابق جزءًا من المناطق المهزومة. الإمبراطورية العثمانية. وشملت هذه الأراضي فلسطين (التي أصبحت فيما بعد إسرائيل والأراضي الفلسطينية) وعبر الأردن (التي أصبحت فيما بعد الأردن) والعراق. كان الانتداب البريطاني يهدف إلى إنشاء حكم مؤقت وتسهيل تطوير الحكم الذاتي في هذه المناطق.

نكبة 1948: (Nakba 1948)

خلال الحرب العربية الإسرائيلية عام 1948 (المعروفة أيضًا باسم حرب الاستقلال)، تم تهجير ملايين الفلسطينيين.

لقد حدثت هذه الحرب بعد قيام دولة إسرائيل. ويسمى الشعب الفلسطيني تهجير ملايين الفلسطينيين خلال هذه الحرب بالنكبة (Nakba). النكبة كلمة عربية تعني الدمار (Catastrophe). وبعد النكبة (Nakba)، واصلت إسرائيل غزو واحتلال المزيد من الأراضي الفلسطينية تدريجيًا وأعادت توطين اليهود هناك، مما أدى إلى تهجير ملايين الفلسطينيين الآخرين. ويستمر الإخلاء القسري للفلسطينيين حتى يومنا هذا.

نبذة تاريخية مختصرة عن قناة السويس:

A Brief History of Suez Canal

كانت أزمة قناة السويس (Suez (Canal Crisis عام 1956 حدثًا دوليًا كبيرًا، ولكن قبل أن أخوض في تفاصيل أزمة السويس عام 1956، دعونا نستعرض بإيجاز تاريخ قناة السويس.

حتى يتمكن القراء من التعرف على تاريخ قناة السويس وأهميتها الجغرافية. قناة السويس أو قناة السويس هي ممر مائي مهم، المنطقة التي تقع فيها قناة السويس كانت جزءا من مصر (Egypt) لعدة قرون. حتى عام 1517، كانت مصر تحكمها الإمبراطورية المملوكية. وفي عام 1517، هزمت قوات الدولة العثمانية دولة المماليك واستولت على مصر وجعلت مصر جزءا من الإمبراطورية العثمانية. وفي عام 1882، احتلت الإمبراطورية البريطانية مصر وأخضعتها لسيطرتها. وظلت السيطرة البريطانية على مصر حتى عام 1952. في 23 يوليو 1952، حصلت مصر على استقلالها من الإمبراطورية البريطانية.

يجب أن نفهم أيضًا أنه سواء كانت الإمبراطورية المملوكية أو الإمبراطورية العثمانية أو الإمبراطورية البريطانية، فإن منطقة قناة السويس كانت دائمًا مدرجة

في جغرافية مصر، أو بالأحرى، كانت منطقة قناة السويس مرتبطة دائمًا بمصر أو أراضيها. كن جزءًا منها. ظل الممر تحت سيطرة البريطانيين والفرنسيين. قناة السويس قناة مهمة جدًا لمصر، ومن الأسباب الرئيسية لأهمية قناة السويس أن قناة السويس هي القناة التي تربط البحر الأبيض المتوسط (Mediterranean Sea) بالبحر الأحمر. (Red Sea)

والتي من شأنها أن توفر طريقًا مختصرا للتجارة البحرية بين أوروبا وآسيا. وكانت القناة لا تزال ممرًا مهمًا للتجارة والنقل الدوليين. وتعرف قناة السويس أيضًا بالقناة الغنية بالذهب والفضة والألماس. ولهذه الأسباب، ظلت قناة السويس (Suez Canal) مركز اهتمام خاص للإمبراطوريات حول العالم وبعض الدول الأكثر تطورًا وأغنى الدول في الوقت الحاضر.

أزمة قناة السويس: (The Suez Canal Crisis)

حدثت أزمة قناة السويس عندما قام الرئيس المصري جمال عبد الناصر بتأميم قناة السويس بعد استقلالها عن الإمبراطورية البريطانية، وشكل تحالفًا سريًا (Nationalized). وكان الغرض من هذا التحالف السري هو استعادة السيطرة على قناة السويس وإطاحة الرئيس جمال عبد الناصر من السلطة. وللهدف نفسه، شنت إسرائيل، في أكتوبر 1956، هجومًا واسع النطاق على مصر بدعم من بريطانيا العظمى وفرنسا. وقد لاقت تصرفات هذا التحالف المكون من بريطانيا العظمى وفرنسا وإسرائيل إدانة شديدة على المستوى الدولي، خاصة بعد الاحتجاجات القوية من قبل الولايات المتحدة والاتحاد السوفييتي، وتدخلت الأمم المتحدة في قضية أزمة قناة السويس ودعت على الفور إلى وقف إطلاق النار. وقف إطلاق النار. ونتيجة لهذه الضغوط الدولية

اضطرت القوات البريطانية والفرنسية والإسرائيلية إلى الانسحاب من المنطقة. ونتيجة لانسحاب القوات الثلاثية، غيرت أزمة قناة السويس ميزان القوى في الشرق الأوسط بحيث تراجع النفوذ البريطاني والفرنسي في المنطقة بينما تراجع نفوذ اللاعبين الرئيسيين، الولايات المتحدة الأمريكية والولايات المتحدة. الاتحاد السوفييتي يتزايد.

وبعد أزمة السويس عام 1956، احتلت إسرائيل أيضًا العديد من الأراضي التي كانت تسيطر عليها في السابق الدول العربية وفلسطين. وعلى وجه الخصوص، احتلت إسرائيل شبه جزيرة سيناء، التي كانت تحت سيطرة مصر، وقطاع غزة، الذي كانت تحت إدارة مصر آنذاك. كما احتلت إسرائيل الضفة الغربية، بما فيها القدس الشرقية، التي كانت تحت السيطرة الأردنية قبل الحرب. ومن الجدير بالذكر أن الوضع في المنطقة تغير مع مرور الوقت ومنذ ذلك الحين

حدثت صراعات وتغيرات في السيطرة على الأراضي، وزادت خريطة المنطقة تدريجياً من مساحة دولة إسرائيل.

بينما استمرت مساحة فلسطين التي كانت موجودة قبل قيام دولة إسرائيل في التقلص.

البحر الاحمر: Red Sea

قبل الخوض في تفاصيل الحرب العربية الإسرائيلية عام 1967، أرى أنه من الضروري أن أذكر الأسباب التي أدت إلى الحرب العربية الإسرائيلية عام 1967.

دعوني أقول للجيل الجديد من الشباب والطلبة والقراء ما هو الاسم الذي يسمى البحر الأحمر (Red Sea)؟ البحر الأحمر (Red (Sea عبارة عن مسطح مائي يقع بين قارتي أفريقيا وآسيا. وهي متصلة بالمحيط الهندي عند طرفها الجنوبي وحدودها مع دول مثل مصر والسودان والمملكة العربية السعودية واليمن والأردن.

حصار مضيق تيران مايو 1967:

Blockade of the straits of Tiran in May 1967

مضيق تيران هو ممر مائي ضيق في البحر الأحمر (Red Sea) يسمى "مضيق تيران". تفسير آخر هو أن هذه المنطقة، وتحديدا المنطقة الواقعة بين شبه جزيرة سيناء (Sinai Peninsula) وجزيرة تيران، تسمى "مضيق تيران" وهو الممر البحري الذي يربط خليج العقبة (The Gulf of Aqaba) بالبحر الأحمر. واستخدمت إسرائيل مضيق تيران لشحنها.

وحدث أنه في مايو 1967، أغلقت مصر (Egypt) مضيق تيران أمام الملاحة الإسرائيلية. وقد نظرت إسرائيل إلى هذا الحصار على أنه تهديد لأمنها، فبدأت إسرائيل بحشد قواتها لإنهاء حصار مضيق تيران، وبذلك أدى حصار مضيق تيران إلى الحرب العربية الإسرائيلية عام 1967.

اندلعت الحرب، المعروفة أيضًا باسم حرب 1967، بين إسرائيل وجامعة الأمم العربية، التي ضمت مصر والأردن وسوريا، من بين دول عربية أخرى.

الحرب العربية الإسرائيلية يونيو 1967:

Arab-Israel War June 1967

بعد إنشاء دولة إسرائيل الرسمية في عام 1948، استمرت التوترات بين إسرائيل والدول العربية في التصاعد. وأخيرا، في عام 1967، اندلعت حرب بين إسرائيل والدول العربية غيرت الخريطة الإقليمية للشرق الأوسط، والتي لا تزال السبب الرئيسي للصراع والتوتر الإقليمي بين إسرائيل ودول الشرق الأوسط.

بدأت الحرب العربية الإسرائيلية عام 1967 في 5 يونيو 1967، واستمرت هذه الحرب لمدة ستة أيام في 10 يونيو 1967. وبناءً على ذلك، تُعرف هذه الحرب أيضًا باسم حرب

الأيام الستة. في حرب الأيام الستة عام 1967، كانت إسرائيل في جانب، وكانت مصر والأردن وسوريا ودول عربية أخرى في الجانب الآخر.

وكانت إسرائيل تقاتل وحدها ضد كل هذه الدول العربية. في هذه الحرب، برزت إسرائيل في نهاية المطاف باعتبارها المنتصر على الدول العربية، وفي هذه الحرب حققت إسرائيل العديد من الانتصارات العسكرية بالإضافة إلى مكاسب إقليمية.

واحتلت إسرائيل شبه جزيرة سيناء (Sinai Peninsula) وقطاع غزة (Gaza Strip) من مصر، والمنطقة الغربية (West Bank) من الأردن، والقدس الشرقية East (Jerusalem) ومرتفعات الجولان (Golan Heights) من سوريا. ومع ذلك، انسحبت إسرائيل من هذه الأراضي المحتلة من قطاع غزة في عام 2005.

ما الفرق بين اليهودي (Jews) والصهيوني (Zionist)؟

Difference between Jews and Zionists

يهود (Jews):

اليهود (Jews) هم أشخاص ينتمون إلى الديانة أو الثقافة أو العرق اليهودي. اليهود موجودون في كل أنحاء العالم. اليهودية (Judaism) هي واحدة من أقدم الديانات في العالم التي تؤمن بإله واحد.

الصهيوني: (Zionist)

الصهاينة (Zionist) هم اليهود الذين يؤمنون بالفكر الصهيوني أو الصهيونية (Zionism). بينما تعتبر الجماعات اليهودية (Jews) والصهيونية (Zionist) حضرة موسى (عليه السلام) نبيا وتؤمن بكتاب التوراة (Torah) المقدس. لكنهم أرادوا إقامة وطن منفصل لليهود، والذي تم إنشاؤه بالفعل، والآن يريدون المزيد من التوسع فيه،

ولديهم أيضًا تفكير توسعي، وهذا التفكير التوسعي يسمى الصهيونية (Zionism).

الحركة الصهيونية: (Zionist Movement)

ما هي الصهيونية؟ (Zionism) وهذا أحاول أن أشرحه بمزيد من الوضوح.

الحركة الصهيونية (Zionist Movement) هي حركة سياسية قومية منظمة تهدف إلى إنشاء والحفاظ على وطن يهودي منفصل في منطقة فلسطين القديمة. تأسست الحركة الصهيونية في أواخر القرن التاسع عشر عام 1897، وأسسها تيودور هرتزل. (Theodor Herzl)

كان تيودور هرتزل زعيمًا سياسيًا وصحفيًا يهوديًا نمساويًا مجريًا (Austro Hungarian)، ولد لعائلة يهودية في بلدة بيست، (Pest) (بودابست) (Budapest)، في إمبراطورية النمسا في أوروبا الغربية.

في عام 1896، نشر تيودور هرتزل كتيبا شهيرا بعنوان Der Judenstaat (الدولة اليهودية). (Jewish State) ومن خلالها طرح فكرة الوطن اليهودي المنفصل التي أصبحت تحظى بشعبية كبيرة بين اليهود المستوطنين حول العالم. وفي أغسطس 1897، نظم تيودور هرتزل المؤتمر الأول للحركة الصهيونية في بازل (Basel) بسويسراء والذي حضره يهود من مختلف البلدان.

وهكذا بدأت حركة صهيونية (Zionist Movement) رسمية لإقامة وطن منفصل لليهود، وتم تعيين تيودور هرتزل كأول رئيس لهذه الحركة القومية الصهيونية. وكان هدف هذه الحركة هو تحرير اليهود (Jewish) من الاضطهاد والعنف في أنحاء مختلفة من العالم وإقامة دولة منفصلة ودائمة لليهود والتي ستقام تاريخياً على أرض فلسطين.

رغم أن الجهود الرامية إلى إقامة دولة يهودية منفصلة في منطقة فلسطين القديمة كانت مستمرة قبل قيام الحركة

الصهيونية (Zionist Movement)، لكن بعد نشوب حركة الصهيونية في عام 1897، زادت محاولات إقامة وطن يهودي في فلسطين بشكل أكثر فعالية وتسارع.

على الرغم من أن حركة الصهيونية تحظى بدعم اليهود في جميع أنحاء العالم لبناء وطن منفصل لهم، لكن ليس جميع اليهود مؤيدين للصهيونية، أي أنهم ليسوا جميعًا مؤيدين لحركة الصهيونية.

الشباب من الجيل الجديد، الطلاب والطالبات، والقرّاء الكرام......!

يجب أن تكونوا جميعًا على دراية بالوضع الأخير للصراع الإسرائيلي الفلسطيني، والذي بسببه تجري مظاهرات صغيرة وكبيرة لصالح فلسطين في جميع أنحاء العالم ويشارك أيضًا الشعب اليهودي الذي يعيش في جميع أنحاء العالم في هذه المظاهرات. اليهود هم الذين يعارضون

الصهيونية (Zionism) بينما اليهود الذين يدعمون إسرائيل هم مؤيدون للصهيونية. (Zionism) أنا متأكد من أن جميع القراء سوف يفهمون الفرق بين الشعب اليهودي وهؤلاء اليهود الصهاينة بعد قراءة ما ذكرته أعلاه.

القراء!

الآن أود أن أطلب منك أنه عندما تقرأ ورقتي البحثية هذه، إذا كنت لا تفهم العديد من المصطلحات، (Terminologies) فيرجى الذهاب إلى Google أو ويكيبيديا أو أي مكتبة والرجوع إلى كتب التاريخ. إذا قمت بذلك، فسيكون من السهل عليك لك أن تفهم المصطلح (Terminology) الذي لم تفهمه.

وقبل أن أطلب منكم مواصلة قراءة ما كتبته حتى الآن، أود أن أكرر بإيجاز بعض النقاط الأخرى. قد تجد تلكا لكلمات مسيئة،

لكن تكرارها قد يساعد البعض على فهم ما كتبته.

قد يكون فهم هذا مفيدًا لكل قارئ لإجراء مزيد من البحث في هذه الأشياء. لذلك أشعر أنه من المهم تكرارها. ولهذا يجب قراءة ما يلي وفهمه بعناية (Revision). على سبيل المثال، لمعرفة مساحة فلسطين عام 1917 باليارد المربع أو بالأمتار عليك الرجوع إلى جوجل ويكيبيديا او AI أي الذكاء الاصطناعي (Artificial Intelligence).

بعد عام 1917، عندما انهارت الإمبراطورية العثمانية (Ottoman Empire) في عام 1918، استولت الإمبراطورية البريطانية على فلسطين. إذن قامت الإمبراطورية البريطانية بتوطين المزيد من اليهود على كم منطقة في فلسطين حتى بداية عام 1922 أو كم منطقة أخرى في فلسطين احتلت بالقوة وقامت الإمبراطورية البريطانية بتوطين المزيد من اليهود هناك أو توطينهم؟ للحصول على

معلومات حول هذا الأمر أيضا، عليك الرجوع إلى جوجل أو ويكيبيديا (Google Or Wikipedia) وليس فقط قراءة النص المذكور فيه ولكن أيضا الاطلاع على الخرائط ذات الصلة لفهمه بشكل أكثر وضوحا.

إنها حقيقة تاريخية أنه بموجب انتداب عصبة الأمم (League Of Nations Mandate)، تم توفير وسيلة قانونية في 14 يوليو 1922 لتبرير احتلال الإمبراطورية البريطانية لفلسطين. والتي استمرت حتى 14 مايو 1948، وفي نفس اليوم 14 مايو 1948، أقيمت دولة إسرائيلية مستقلة على أراضي فلسطين.

القراء!

الآن يجب عليك أيضا البحث عن عدد المناطق الأخرى في فلسطين التي تم احتلالها وأقيمت المستوطنات اليهودية فيها باسم المستوطن (Settlers)، في الفترة من 1918 إلى

14 مايو 1948. تحقق من خرائط جوجل لمعرفة ذلك.

وأود أن أذكر هنا أنه في عام 1918 كان عدد السكان اليهود في فلسطين 6% فقط، وارتفع في عام 1947 إلى 33%.

وأعقب قيام دولة إسرائيل، التي تأسست في 14 مايو 1948، حروب عربية إسرائيلية احتلت فيها القوات الإسرائيلية 78 بالمائة من فلسطين التاريخية. خلال حرب الأيام الستة عام 1967، احتلت إسرائيل كل أراضي فلسطين التاريخية تقريباً، وأجبرت 300 ألف (300000) فلسطيني آخرين على النزوح إلى المنفى. بينما قبل ذلك، بعد قيام دولة إسرائيل عام 1948، تم طرد ما بين 750 ألف (750000)إلى 900 (900000) ألف فلسطيني من الرجال والنساء والأطفال من وطنهم واستوطنهم اليهود أو تم هدم المناطق المتبقية.

القراء!

الآن ننتقل. كتبت في هذا المقال عن الصراع الإسرائيلي الفلسطيني، وقلت أنه بعد قيام دولة إسرائيل كانت هناك حروب صغيرة وكبيرة بين إسرائيل وفلسطين والدول العربية.

دعونا نلقي نظرة سريعة عليهم مرة أخرى.

وفي الفترة ما بين 14 مايو 1948 و1982، استمرت هذه الصراعات على هذا النحو، كما استمرت الحروب الصغيرة والكبيرة. الحروب الكبرى التي وقعت مباشرة بعد إنشاء دولة إسرائيل في عام 1948 تشمل الحرب العربية الإسرائيلية عام 1948، وأزمة قناة السويس عام 1956، وحرب الأيام الستة عام 1967، وحرب الهدنة 1967-1970، وحرب يوم الغفران عام 1973. والحرب الإسرائيلية اللبنانية عام 1982. بالإضافة إلى هذه الحروب الكبرى، استمرت العديد من المناوشات الصغيرة الأخرى.

القراء!

الآن أريد أن أضع أمامك المزيد من الحقائق التاريخية حتى تتمكن من الرجوع إلى جوجل أو ويكيبيديا أو الذكاء الاصطناعي (Artificial Intelligence) للتحقق منها والحصول على مزيد من المعلومات.

اتفاقيات أوسلو التاريخية: (Historical Oslo Accord)

اتفاقيات أوسلو، المعروفة أيضا باسم اتفاقيات السلام، هي سلسلة من الاتفاقيات التاريخية الموقعة بين إسرائيل ومنظمة التحرير الفلسطينية (PLO) في أوائل التسعينيات.1990

وكان أحد أهداف هذه الاتفاقيات إيجاد إطار لمفاوضات السلام بين الصراع الإسرائيلي الفلسطيني، بينما كان الهدف الآخر وضع خارطة طريق لحل الصراع الإسرائيلي الفلسطيني، أي إطار لمواصلة مفاوضات السلام. وكان من المقرر أيضاً إعداد خريطة طريق لحل هذه المشاكل.

وبدأت المفاوضات بشأن هذا الاتفاق بين فلسطين وإسرائيل في أوسلو (Oslo) عاصمة النرويج (Norway)، وانتهت هذه المفاوضات في 20 أغسطس 1993.

وبعد الاتفاق على خريطة الطريق لهذا الاتفاق الأولي في أوسلو، وقع ممثلا فلسطين وإسرائيل بحضور وزيري خارجية الولايات المتحدة وروسيا.

تم التوقيع على اتفاقيات أوسلو التاريخية رسميًا في 13 سبتمبر 1993 في واشنطن العاصمة، بحضور الرئيس الأمريكي آنذاك بيل كلينتون. ووقع الاتفاق عن الجانب الإسرائيلي رئيس منظمة التحرير الفلسطينية ياسر عرفات (Yasser Arafat) ورئيس الوزراء الإسرائيلي اسحق رابين (Yitzhak Rabin).

تتكون اتفاقيات أوسلو من جزأين. "إعلان مبادئ" (Declaration Of Principles DOP) يتبعه اتفاق ثان

يسمى "الاتفاق المؤقت" (Interim Accord) المعروف أيضاً باتفاقيات أوسلو الثانية (Oslo Accord 2).

وحدد "إعلان المبادئ" (Declaration Of Principles) خطة عمل لحل الصراع الإسرائيلي الفلسطيني وتحقيق السلام الدائم في المنطقة، بما في ذلك إنشاء السلطة الفلسطينية ككيان مستقل مؤقت في الضفة الغربية (West Bank) وقطاع غزة (Gaza Strip).

تم التوقيع على الاتفاق المرحلي، أو اتفاقيات أوسلو الثانية (Oslo Accord 2)، في مدينة طابا (Taba) المصرية في عام 1995، والذي تقرر بموجبه انسحاب القوات الإسرائيلية من الأراضي الفلسطينية المحتلة، وتحديداً الضفة الغربية وأجزاء من غزة. وكان الاهتمام منصباً على القضايا مثل انسحاب السلطة الفلسطينية واعتراف منظمة التحرير الفلسطينية بإسرائيل.(PLO)

على الرغم من أن اتفاقات أوسلو اعتبرت خطوة مهمة نحو السلام، فقد تم الاتفاق على ترتيب مؤقت لمدة خمس سنوات وخلال هذا الترتيب المؤقت الذي يستمر خمس سنوات لحل القضايا الرئيسية للصراع. وكان من المقرر إجراء المفاوضات النهائية بحلول شهر مايو. عام 1996، لكن الحل النهائي للنزاع يظل قضية معقدة حتى يومنا هذا.

ومن اللحظات المثيرة للقلق أيضاً أن رئيس الوزراء الإسرائيلي إسحق رابين، أحد القادة الذين لعبوا دوراً في إتمام وتوقيع اتفاقيات أوسلو التاريخية، قد قُتل بالرصاص في 4 تشرين الثاني/نوفمبر 1995 في نهاية مسيرة حاشدة لدعم إسرائيل. اتفاقيات أوسلو.. قُتل. بينما أصيب الزعيم الفلسطيني ورئيس منظمة التحرير الفلسطينية (PLO) ياسر عرفات بتسمم "البولونيوم (Polonium) المعدني المشع (Radioactive Metal) الذي كانت حالته تسوء يوما بعد

يوم، نُقل في النهاية إلى فرنسا لتلقي العلاج، حيث أدخل إلى المستشفى حيث توفي في 11 نوفمبر 2004.

هجمات حماس الصاروخية على إسرائيل 7 أكتوبر 2023:

(Rocket Attacks on Israel by Hamas; 7th October 2023)

في 7 أكتوبر 2023، شنت حماس هجمات صاروخية على إسرائيل، مما أسفر عن مقتل أكثر من 1300 رجل وامرأة وأطفال أبرياء، بمن فيهم جنود إسرائيليون، وإصابة الآلاف. وبصرف النظر عن ذلك، تم تدمير العديد من المنازل والمباني وغيرها من الأصول. ولم تكتف جميع دول العالم بإدانة هذه الهجمات، بل أعربت أيضًا عن تعازيها القلبية وتعاطفها مع الشعب الإسرائيلي المتضرر.

ويمكن القول أيضًا أن هذا الإجراء الذي قامت به حماس لم

يعجبه أغلبية العالم وأن أغلبية كبيرة عارضت بشدة هذا الهجوم الذي قامت به حماس واحتجت عليه.

والسؤال الذي يطرح نفسه هنا: من أين ومن أي دولة حصلت حماس على آلاف الصواريخ والمظلات (Para gliders)؟ وفي الوقت نفسه، يتساءل الجميع، بما فيهم أنا، لماذا لم تفكر حماس حتى في خطتها الثانية (B) وخطتها للسباحة (C) بعد مهاجمة إسرائيل قبل شن الهجمات الصاروخية. ولماذا لم تفكر حماس وشركاؤها حتى في ماهية الأعمال العسكرية الإسرائيلية وما ستكون عليه رداً على هذه الهجمات على إسرائيل، وكيف قد يتحمل الشعب الفلسطيني البريء العواقب. إسرائيل التي كانت قد احتلت بالفعل كل مناطق فلسطين تقريباً، دعنا نقول أكثر من 90% من المساحة، بهجمات متقطعة بالأسلحة الثقيلة والدبابات والقوات الجوية، مما يدل على أن إسرائيل تريد فلسطين. ولكن التفوق الحربي قد زال في كل الأحوال. تم اكتسابها.

إضافة إلى ذلك، تلقت إسرائيل كافة أنواع الدعم من أكبر وأغنى وأقوى دول العالم. ولم يشمل هذا الدعم، الدعم الدبلوماسي فحسب، بل يشمل أيضًا جميع أنواع المعدات العسكرية، بما في ذلك السفن الحربية والصواريخ بعيدة المدى والمدافع المتطورة وغيرها من الأسلحة.

ويدرك الجميع هذه الحقيقة وهي أن إسرائيل تلقت الدعم الكامل بكافة أشكاله من أكبر وأغنى وأقوى الدول، بما في ذلك الولايات المتحدة وبريطانيا العظمى، وجميع الدول الغربية تقريبًا، في حين أن هذا الدعم لفلسطين لا يُمنح لأي طرف البلد. لم أفهم. أما بالنسبة للدول الإسلامية، فهي تتلقى الدعم والمعدات العسكرية الأخرى من الولايات المتحدة وبريطانيا العظمى والدول الغربية منذ حصولها على الاستقلال من احتلال الإمبراطورية البريطانية وما زالت هناك. علاوة على ذلك، فإن الجميع يدركون حقيقة أن أي دولة إسلامية غير قادرة على بناء معدات عسكرية حديثة.

ربما يظن الناس الآن أن باكستان هي التي صنعت القنبلة الذرية، لذا أود أن أقول للقراء إن المعادن (Minerals) وأحدث المعدات التكنولوجية (Metals) (Technological Instruments) والمواد الكيميائية اللازمة لصنع القنابل الذرية والصواريخ التي صنعتها باكستان. باكستان لا تصنع ما تحتاج إليه لكن باكستان تطلب كل هذه الأشياء من أمريكا أو بريطانيا العظمى أو الدول الغربية. وبعبارة أخرى، فإن باكستان لا تملك حتى الآن القدرة على خلق شيء جديد من خلال إجراء البحوث العلمية بنفسها. نعم، ومع ذلك، فإن طلب العناصر المصنعة من الخارج وتجميعها لتصنيع شيء ما لا يمكن أبدًا اعتباره اختراعًا اخترعته باكستان.

لكن إلى أين يتجه الأمر من أين نعم، كنت أتحدث عن هجمات حماس الصاروخية على إسرائيل، بما في ذلك الطائرات الشراعية. والآن أود أن أطرح بعض الأسئلة

الإضافية المتعلقة بهذا الموضوع. عليك أن تقرأ هذه الأشياء بعناية شديدة حتى يسهل عليك فهم الموضوع نفسه.

جميعكم، الذين قرأوا مقالي هذا، أخبروني ما إذا كان هناك هجوم من قبل فلسطين على إسرائيل بالطريقة التي فعلتها حماس على إسرائيل في 7 أكتوبر 2023؟ تعلمون جميعاً أنه لا توجد مجموعة واحدة فقط تناضل من أجل حرية فلسطين، بل هناك العديد من المجموعات التي سبق أن ذكرتها في هذا المقال.

الآن، لن يكون من غير الضروري أن نسأل ما إذا كانت أي من الجماعات التي تناضل من أجل الحرية في فلسطين قد أطلقت هذا العدد الكبير من الصواريخ على إسرائيل قبل هجوم حماس الصاروخي في 7 أكتوبر/تشرين الأول 2023. هل هي البقع؟ إذا كانت إجابتك لا، فسيكون من المبرر أيضًا أن أسأل أنه ردًا على هجوم حماس، قامت إسرائيل بضم جميع الأراضي الفلسطينية التي ظلت آمنة من الاحتلال

الإسرائيلي (أي التي نجت من الاحتلال الإسرائيلي) اعتبارًا من 8 أكتوبر 2023. لكن وما زالت الهجمات الجوية والبحرية والشريرة التي تمت مستمرة حتى بعد مرور أكثر من شهر؟ لقد قُتل أكثر من 11.000 رجل وامرأة وطفل بريء فلسطيني وأصيب أكثر من 100.000 آخرين بسبب هذه الهجمات التي شنتها إسرائيل، ولا يزال مئات الأشخاص يقتلون ويصابون كل يوم حتى كتابة هذه السطور.

الآن المزيد من الأسئلة تشغل البال، بعد قيام دولة إسرائيل عام 1948، كم مرة هاجمت فلسطين إسرائيل جواً وبرا وبحراً؟ من عام 1948 إلى اليوم هاجمت فلسطين إسرائيل واحتلت كم منطقة إسرائيلية؟ وكم عدد الإسرائيليين الذين تم إجلاؤهم قسراً من منازلهم؟ كم عدد المستوطنات الإسرائيلية التي دمرت؟ في كم مستوطنة إسرائيلية قامت فلسطين بتوطين الفلسطينيين باسم المستوطن؟

وينبغي أيضاً أن نفحص بالحقيقة كم من الإسرائيليين وكم من الفلسطينيين قتلوا وجرحوا في الحروب الصغيرة والكبيرة بين إسرائيل وفلسطين منذ عام 1948 وحتى الآن؟

سؤال آخر هو عدد الهجمات التي نفذتها إسرائيل منذ الهجوم الذي شنته حماس في 7 أكتوبر 1923، والذي لا يزال مستمرا حتى أكتب هذا. ونتيجة لذلك أصبح الوضع الأخير في فلسطين مروعا للغاية، أليست من أكبر المآسي في تاريخ البشرية ومأساة إنسانية كبيرة؟

اليوم، الدمار في كل مكان في فلسطين، لا توجد مستشفيات متاحة للقتلى والجرحى الفلسطينيين، لا يوجد دواء، لا يوجد ماء، لا يوجد غاز، لا يوجد كهرباء، ولا يتوفر طعام وشراب، ولا تتوفر المواد الاستهلاكية اليومية. وحتى لو وصلت بعض منظمات الإغاثة إلى هناك حاملة مواد إغاثية، فمن الذي يمنعها من الوصول إلى الفلسطينيين الذين نجوا في المناطق المتضررة؟ أين رواد الإنسانية؟ أين الأمم المتحدة؟

أين ميثاق الأمم المتحدة لحقوق الإنسان الأساسية؟ لماذا لا يتم تنفيذ أوامر ومناشدات الأمين العام للأمم المتحدة أنطونيو غوتيريش (Antonio Guterres)؟ أليس وجود الأمم المتحدة نفسها يشكل علامة استفهام اليوم؟ ففي نهاية المطاف، أين وأين دفن ضمير الإنسانية العالمية؟

القراء!

ماذا خسرنا بعد الحرب العالمية الأولى والثانية ولكن للأسف لم نتعلم منها أي درس حتى الان لماذا؟

بعد كل شيء، لماذا لا نعتقد أن الحرب لا تجلب سوى الدمار والخراب، والحرب لا تحل أي مشكلة، والحرب لا تضمن أبدًا وعلى أي حال رفاهية البشرية. لماذا لا توقظ ضمائرنا النائمة بدلا من الحروب المتكررة وإهدار أرواح البشر وممتلكاتهم؟ متى سنخرج أخيرًا من اللون والعرق واللغة والتحيز الإقليمي؟ متى سنمحو اختلاف اللون والعرق؟

متى نخرج من الكراهية على أسس دينية ونتقدم نحو ترسيخ التسامح الديني؟

وفوق كل هذه الأشياء، إذا كان هناك أي شيء أو شيء آخر، فهو فقط احترام الإنسانية. الاحترام ليس إلا إنسانيا. لماذا لا نفكر بضميرنا في خلق احترام الإنسانية، متى سنلعب دورنا الإيجابي في احترام الإنسانية بذكاء؟

الإنجازات .... (Out come)

ملخص كتابة كل شيء أو كتابة ملخص. مع الحقيقة والحقيقة المرة!

فيما يلي تفصيل لكيفية نمو سكان العالم من عام 1940 إلى اليوم في عام 2023.

1940 -------- حوالي -------- 2.3 مليار

1950 -------- حوالي -------- 2.5 مليار

1960 -------- حوالي -------- 3.0 مليار

Revelation with Altaf Hussain translated by ...

1970 ------- حوالي ------- 3.7 مليار

1980 ------- حوالي ------- 4.4 مليار

1990 ------- حوالي ------- 5.3 مليار

2000 ------- حوالي ------- 6.1 مليار

2010 ------- حوالي ------- 6.9 مليار

2020 ------- تقريبا ------- 7.8 مليار

2023 ------- تقريبا ------- 8.0 مليار

وبالمثل، مع كل عقد زاد عدد البلدان في عام 1940، انظر كم عدد البلدان التي زادت بحلول عام 2023.

1940 ------- تقريبا ------- 73

1950 ------- تقريبا ------- 76

1960 ------- تقريبا ------- 106

1970 ------- حوالي ------- 130

1980 -------- حوالي -------- 150

1990 -------- تقريبا -------- 175

2000 -------- تقريبا -------- 192

2010 -------- تقريبا -------- 194

2020 -------- تقريبا -------- 195

2023 -------- تقريبا -------- 195

القراء!

الآن الشيء الذي يجب التفكير فيه وفهمه هو أنه بعد الحرب العالمية الأولى والحرب العالمية الثانية، لم تحدث الحرب العالمية الثالثة في العالم حتى عام 2023، والتي بسببها مات أو قُتل ملايين الملايين من الناس على مستوى العالم. ولإنهاء الصراعات، بدلا من القتال، اتخذ أسلوب النقاش. ونتيجة للجهود المبذولة لحل كافة النزاعات من خلال التفاهم، واعتراف كل طرف بوجود الآخر من قبل أطراف النزاع، وحل النزاعات من خلال المفاوضات بدلا من

الحروب، ظهرت دول جديدة إلى الوجود. وبالتالي فإن العالم الحالي لا يزال في مأمن من الحرب العالمية الثالثة.

لو واصلنا الحروب والحروب فقط بسبب خلافات متضاربة وأصرت أطراف الصراع على عنادها وقالت إن وجودكم باطل ووجودي حق وصواب، لكنا عالقين في الحروب حتى اليوم. وستستمر الحروب على هذا النحو حتى اليوم. وكما هو الحال على مدى 75 عاما مضت، ظلت إسرائيل وفلسطين متشابكتين وعالقتين في الصراع وما زالتا متورطتين في حروب صغيرة وكبيرة، تسبب الدمار والخراب وخسائر في الأرواح البشرية، عدا عن حل الصراع بين إسرائيل وفلسطين. لن يأتي.

إذا استمر العالم كله في عدم مناقشة والاعتراف بوجود بعضنا البعض لحل الصراعات، فلن تظهر دول جديدة كدول مستقلة على خريطة العالم.

والآن أعود إلى الصراع الفلسطيني الإسرائيلي المستمر منذ 75 عاماً. وما سأستمر في كتابته بحسب تفكيري سيكون تفكيري الشخصي في ضوء الحقائق التاريخية التي سيفهمها الكثير من القراء. أي أنهم سيتفقون مع كتاباتي واختلافاتي وأفكاري.

وسيسيئ فهمها كثير من القراء، أي سيختلفون مع ما كتبته وأفكاره وخواطره. وأود أن أؤكد هنا أنه سواء وافق القراء أو اختلفوا مع كلامي وأفكاري وخواطر وفلسفتي المكتوبة، فإنني من وجهة نظري أحترم من يوافق ومن يختلف لأن التعبير عن الأفكار والخواطر حرية إذا أحببتها لنفسي ولنفسي. أعتبره من حقي. فكيف أتخيل تقييد حق الآخرين في التعبير عن أفكارهم وآرائهم والموافقة أو الاختلاف أو أعتبر من حقي أن أفرض القيود عليهم؟

القراء!

لقد حاولت أن أكتب الصراع الإسرائيلي الفلسطيني بتفاصيل كافية حسب ما أستطيع البحث عنه في ضوء الحقائق التاريخية في هذا المقال بأكمله. إلى أي مدى نجحت أو فشلت في هذا المسعى، من الأفضل أن تحكموا أنتم القراء. الآن سأمضي قدمًا وأبذل قصارى جهدي لجعل كتابتي أكثر إيجازًا. وكما ذكرت مرات عديدة في كتاباتي، فقد تأسست دولة إسرائيل المستقلة في عام 1948. وفي نفس العام، أي 1948، اندلعت الحرب العربية الإسرائيلية، وانتهت عام 1949.

القراء!

والآن لا يجب عليك أن توليها اهتمامًا خاصًا فحسب، بل يجب أيضًا أن تفكر بعمق في نتيجة هذه الحرب. لقد هُزم التحالف العربي وانتصرت إسرائيل. أدى هذا الانتصار

الإسرائيلي إلى خلق أزمة جديدة أخرى في المنطقة لأنه بعد الحرب قامت إسرائيل بزيادة الأراضي التي منحتها الأمم المتحدة لإسرائيل واحتلت المزيد من المناطق في فلسطين. وبسبب ذلك اضطر ملايين الفلسطينيين إلى الهجرة، وبالتالي ظهرت مشكلة جديدة هي اللاجئين الفلسطينيين.

والآن تأملوا أيها القراء أكثر في مدى استفادة إسرائيل في الحروب الأخرى الصغيرة والكبيرة بعد انتهاء الحرب العربية الإسرائيلية وكم الخسائر التي تكبدتها فلسطين؟ والآن تأملوا أيها القراء أكثر في مدى استفادة اسرائيل في الحروب الأخرى الصغيرة والكبيرة بعد انتهاء الحرب العربية الإسرائيلية وكم الخسائر التي تكبدتها فلسطين؟ والآن، إذا واصلنا الانخراط في هذا النقاش والجدل حول أي من الطرفين عانى أكثر وأيهما عانى أقل، فإن هذا النقاش والنقاش سيستمر دون أي نتيجة نهائية وسيستمر إزهاق

المزيد من الأرواح البشرية البريئة. يضيع. ولذلك، سأجرؤ على اقتراح حل لهذا الصراع الإسرائيلي الفلسطيني الذي طال أمده من خلال إبقاء فلسفتي المعلنة المتمثلة في الواقعية والبراغماتية في المقدمة. وهي أنه يتعين علينا أن ندرك الحقائق على أرض الواقع

(Realism And Practicalism) لهذا الصراع الإسرائيلي الفلسطيني القديم، ومع إبقاء هذه الحقائق أمامنا، يتعين علينا أن نضع استراتيجية مستقبلية يمكن أن تؤدي إلى نهاية الحرب المستمرة منذ فترة طويلة. سنين.

القراء!

أود أن أطرح عليك بعض الأسئلة الإضافية.

(1) ألا تحظى إسرائيل بدعم الحكومات والنخب القوية في الولايات المتحدة وبريطانيا العظمى والدول الغربية؟

(2) أليس من الواقعي أن فلسطين لا تحظى بدعم عملي من أي دولة، بما في ذلك الحكومات والنخب القوية في الدول الإسلامية، باستثناء دولة أو دولتين؟

(3) أليس من الحقائق الأساسية أن 164 من إجمالي عدد الدول الأعضاء العادية في الأمم المتحدة، والذي يبلغ حاليًا 193 دولة، قد اعترفت بوجود إسرائيل كدولة مستقلة؟

(4) أليس من الحقائق الأرضية أن إحدى القوى العظمى، روسيا (Russia)، اعترفت رسميًا بإسرائيل كدولة مستقلة في 17 مايو 1948؟

(5) أليس حقيقة أن قوة عظمى أخرى هي الصين (China) اعترفت أيضًا بإسرائيل كدولة مستقلة في 24 يناير 1992؟

(6) أليس من الواقع أن إسرائيل كدولة قد تم الاعتراف بها من قبل الأمم المتحدة والدول الأعضاء فيها البالغ عددها

164 دولة، ولكن على الرغم من كل الاتفاقيات، فإن فلسطين كدولة مستقلة لم تعترف بها الأمم المتحدة. لم تعترف الأمم بعد ولا اي دولة أخرى. هل هذه الحقيقة لا تقل عن مأساة؟

(7) أليس حقيقة على الأرض أن الدول الإسلامية بما فيها باكستان لم تعترف رسميا أو رسميا بدولة إسرائيل، ولكن أليس لهذه الدول أيضا علاقات غير رسمية أو سرية مع إسرائيل؟

(8) أليس من الواقع أنه في الحرب الإسرائيلية الفلسطينية الحالية، لم تتقدم أي دولة إسلامية لدعم فلسطين في المجال العملي بخطة عملها الملموسة والواضحة؟

القراء!

وفي ضوء هذه النقاط والأسئلة المذكورة فإن الرأي الذي سأطرحه هنا هو أن وجود فلسطين أقدم من وجود

إسرائيل بالاف السنين. في حين أن وجود إسرائيل أصبح على مدى السنوات الـ 75 الماضية حقيقة واقعة، وقد اعترف بها 164 من الأعضاء العاديين في الأمم المتحدة، أي إسرائيل كدولة مستقلة ذات سيادة. ولذلك فإن الواقع على الأرض اليوم هو أن وجود فلسطين حقيقي، ووجود إسرائيل أصبح واقعاً أيضاً.

وأود أن أصرح بموقفي أمام كل القوى الكبرى والقوية بما فيها الأمم المتحدة، وهو أن خطة تقسيم فلسطين قررتها الأمم المتحدة، (United Nation's partition plan) والتي بموجبها ستعطى 55% من الحصة للدولة اليهودية (Jewish)و45% للدولة العربية. في ضوء الحقائق، أود أن أتقدم بمطلب قائم على العدالة هنا أمام الأمم المتحدة بمنح حصة 45% لإسرائيل و55% لفلسطين لحل الصراع الإسرائيلي الفلسطيني المستمر منذ 75 عاماً بشكل دائم.

أساس. وإذا لم يتفق أحد مع رأيي، على الأقل كما اعترفت الأمم المتحدة بدولة إسرائيل المستقلة، فيجب أيضا تنفيذ إنشاء دولة فلسطين القديمة المستقلة والمستقلة. حتى يمكن وضع حد لسلسلة عمليات القتل وإراقة الدماء المستمرة للأبرياء في هذه المنطقة إلى الأبد وبالتالي يمكن إقامة سلام مستدام ودائم في المنطقة.

وأود أن أقدم اقتراحاتي الإضافية بشأن حل الصراع الإسرائيلي الفلسطيني الحالي وفقا لفلسفة الواقعية والبراغماتية التي خلقتها. (Realism and Practicalism)

إن الصراع بين إسرائيل وفلسطين مسألة معقدة وحساسة، ويتطلب حلها مشاركة وتعاون الجانبين وكذلك المجتمع الدولي. فيما يلي بعض النصائح للمساعدة في التحرك نحو حل سلمي.

1. الحوار والتفاوض:

وكما أوضحت بتفصيل كبير، فإن هذا الصراع لا يمكن حله إلا من خلال الاعتراف بوجود الطرف الآخر وإنهاء الحرب واتخاذ طريق الحوار.

وأعتقد أن الحاجة الملحة الآن هي أن تحث الأمم المتحدة والمجتمع الدولي، وخاصة القوى الكبرى، الأطراف على الدخول في مفاوضات مباشرة بحضور وسطاء من أجل منع المزيد من الخسائر في الأرواح البشرية والدمار. موافق. وإيجاد أرضية مشتركة لمعالجة مظالمهم وحل النزاعات حيث أن التواصل المفتوح والصادق أمر ضروري لفهم وجهة نظر بعضكم البعض.

2. حل الدولتين:

ومن أجل حماية الأرواح الثمينة في المنطقة وتجنب

حالة الصراع الدائم، فلابد من اتباع سياسة "عش ودع غيرك يعيش". وبموجب هذه السياسة، يتعين على شعب إسرائيل وفلسطين أن يعترف كل منهما بدولة الأخر. ولأن الأمم المتحدة نفسها تؤيد حل الدولتين في فلسطين، أعتقد أن من الضروري الآن أن يتوقف الطرفان عن القصف والهجمات والمضي قدمًا في الاعتراف بحل الدولتين المعترف به دوليًا. حيث يمكن لإسرائيل وفلسطين أن تعيشا كدولتين مستقلتين تعترف كل منهما بوجود الأخرى بحدود آمنة.

3. احترام حقوق الإنسان:

أعتقد أن احترام الإنسانية أعظم وأعظم من اللون والعرق والدين والعقيدة والانتماء الإقليمي. ولذلك فإن من ضرورة الساعة لجميع الدول التي تعيش في المنطقة أن تتجاوز التمييز على أساس اللون والعرق والدين والمعتقد، وتعطي الأولوية لبقاء الإنسانية وحماية حقوق الإنسان.

إن احترام الإنسانية والمساواة والعدالة واحترام القانون الدولي من خلال منح كل دولة الحق في العيش بكرامة وحرية يمكن أن يساعد في إقامة سلام دائم ومستدام في كل منطقة ومنطقة.

4. الدعم الدولي:

ينبغي للمجتمع الدولي والأمم المتحدة، وخاصة الدول الأكبر والأغنى والأقوى، أن تلعب دورا نشطا فيما يتعلق بوقف إطلاق النار والسلام الدائم. ولا يمكن أن تتم هذه العملية إلا من خلال الجهود الدبلوماسية والمساعدة الاقتصادية والضمانات الأمنية.

وتذكروا أن تحقيق السلام في المنطقة مهمة معقدة تتطلب الالتزام والصبر والتفهم من جميع الأطراف. ويجب ألا ننسى حقيقة أنه بالقوة، يمكن لأي دولة أن تحتل منطقة ما وتجعل تلك المنطقة منطقة محتلة، ويمكنها بالتأكيد إخضاع الناس

الذين يعيشون في المنطقة المحتلة. ولا يمكنها إنهاء وجود أي دولة أخرى بالقوة.

القراء!

ومن وجهة نظري فقد وضعت أمامكم نبذة مختصرة عن الوقائع على الأرض في ظل الفلسفة الواقعية (Realism)، ووفقا للبراغماتية (Practicalism)، الصيغة أو الخطة لإحلال السلام الدائم والمستدام في المنطقة مع حل مشكلة السلام الشامل. وقد عرض الصراع الإسرائيلي الفلسطيني

القراء!

ووفقا لفلسفة الواقعية والبراغماتية (Realism and Practicalism) التي ابتكرتها، أعتقد أنه من خلال الاعتراف بالحقائق على أرض الواقع، من

Revelations with Allah Hussain translated by ... Bashir

الضروري معرفة ما هو مفيد في العالم وما هو ضار للإنسان. وبعد معرفة كل هذا ما هو مفيد للإنسان، وكيفية اعتماده أو استخدامه عملياً. وكذلك كل ما يضر الإنسان، وكيفية تجنبه أو تجنبه، وإذا كان شيء ضار يمكن استخدامه لصالح الإنسان. فما هي التدابير العملية التي ينبغي اتخاذها لاستخدامها لبقاء البشرية ولهدف عظيم.

وتفسير آخر لذلك هو أنه إذا كان من الممكن استخدام شيء ضار من أجل تحسين الإنسان وبقائه وسلامته ورفاهه، فيجب علينا أن نكون حذرين بشأن كيفية وكيفية استخدام هذا الشيء الضار، فيجب استخدامه وما هي التدابير التي يمكن اتخاذها. اتخذت لمنع الضرر للإنسان.

على سبيل المثال، اليورانيوم الذي يحمل الرمز ("Symbol")("U") هو عنصر (Element)يمكن استخدامه لتوليد الكهرباء ولصنع أسلحة نووية شديدة التدمير.

وبالمثل، يُرمز للزئبق (Mercury) بالرمز "Hg"(Symbol)". ويستخدم الزئبق في أجهزة "الترمومتر"(Thermometer) لقياس درجة حرارة جسم الإنسان، وجهاز "Sphygmomanometer" لقياس ضغط الدم البشري، و"البارومتر" لقياس ضغط الهواء.

ومن ناحية أخرى، يعتبر الزئبق (Mercury) سامًا (Poisonous) أيضًا لصحة الإنسان وحياته وبيئته، ومع ذلك فهو يستخدم لرفاهية البشرية، ولكن مع احتياطات شديدة وتدابير ضرورية.

القراء!

أريد فقط أن أعبر عن فلسفتي وفق الواقعية (Realism) والبراغماتية (Practicalism) من خلال هذه الورقة البحثية (Thesis) التي كتبتها. أن كافة الصراعات والأحكام المسبقة

والكراهية والقبح والخبث والعناد يجب أن يتّم القضاء عليها بطريقة أو بأخرى، وذلك من خلال إبقاء تاريخ الماضي أمامنا والتعرف على أرضه وحقائقه الحقيقية وفحصها في جميع أنحاء العالم. القلق موجود في كل دولة موجودة، لإنهاء الحرمان من الحقوق، وإنهاء التمييز على أساس اللون والعرق، وقبول وجود بعضنا البعض بقلب مفتوح، واتخاذ طريق الحوار بدلا من القتال لإنهاء التناقضات أو اختلافات الفكر.

وينبغي للدول المؤثرة، وخاصة الأمم المتّحدة، أن تقوم بدورها من أجل إنهاء التعصب الديني، وإرساء التسامح الديني، ومحو التمييز بين الرجل والمرأة، وإنهاء فكر التفوق والدونية. ومن المهم للغاية التأكد من أنه بدلا من استخدام الحرب أو القوة لحل النزاعات والصراعات، يتم اتباع طريق الحوار بإخلاص وصدق.

وجاء تشكيل الأمم المتحدة التي تأسست في 24 أكتوبر 1945 لإنهاء كافة أنواع القمع والوحشية في العالم. وفي ضوء النتائج الرهيبة للحربين العالميتين الأولى والثانية، يمكن تجنب حرب عالمية ثالثة محتملة في جميع أنحاء العالم ويمكن إلزام دول العالم باتخاذ كافة التدابير الممكنة لترسيخ احترام الإنسانية في جميع أنحاء العالم. وينبغي تنفيذ ميثاق الأمم المتحدة.

أنا شخصيا أريد أن أرى نهاية لاستخدام القوة لحل الصراعات في جميع أنحاء العالم وفي أي بلد في العالم. وفي نفس الوقت أريد أن أرى مثالاً عملياً على النهاية الكاملة للحرب والحرب وإحلال السلام والسلام فقط. وأود أن أقول باختصار إن مهمتي وهدفي هو فقط كراهية الحرب وحب السلام.

القراء!

والآن، مع إبقاء هذه الورقة البحثية (Thesis) معدة في ضوء حقائقي التاريخية أمامكم، فمن الأفضل أن تقرروا وفقا لضميركم، إلى أي مدى صحيحة أطروحتي المكتوبة وإلى أي مدى هي خاطئة، أترك الأمر لكم لتقرروا.. أنا أكون أطلب بكل احترام من جميع القراء أن يسامحوني إذا كان أي من الأشياء التي ذكرتها أساء لأي شخص.

تأكد من إخباري بأفكارك وتصحيحاتك على عنوان البريد الإلكتروني (Email Address) المدرج أدناه.

صلوا من أجل السلام العالمي، ونهاية الحروب والصراعات، وبقاء البشرية، وخاصة من أجل إحلال السلام الدائم في منطقة الشرق الأوسط.

ازدراء

الطاف حسين

المعتقدات التأسيسية

لحظة متحدة قومي

Arabic Translation by Mrs. Emaan Batool

تمت الترجمة بواسطة ايمان بتول

حركة القومي المتحدة (MQM)

السكرتير الدولي (لندن)

185 ويتشرش لين

إدجوار، ميدلسكس

HA8 6QT

Muttahida Quami Movement (MQM)

International Secretariat (London)

Whitchurch Lane 185

Edgwar, Middlesex

HA8 6QT

البريد الإلكتروني: mqm@mqm.org

موقع الكتروني: WWW.mqm.org

الهاتف: 9527300 208 0044

Revelations with Altaf Hussain translated by

Arthur Balfour

The lord Rothschild

Map of 1917

Map of 1918 – 1947

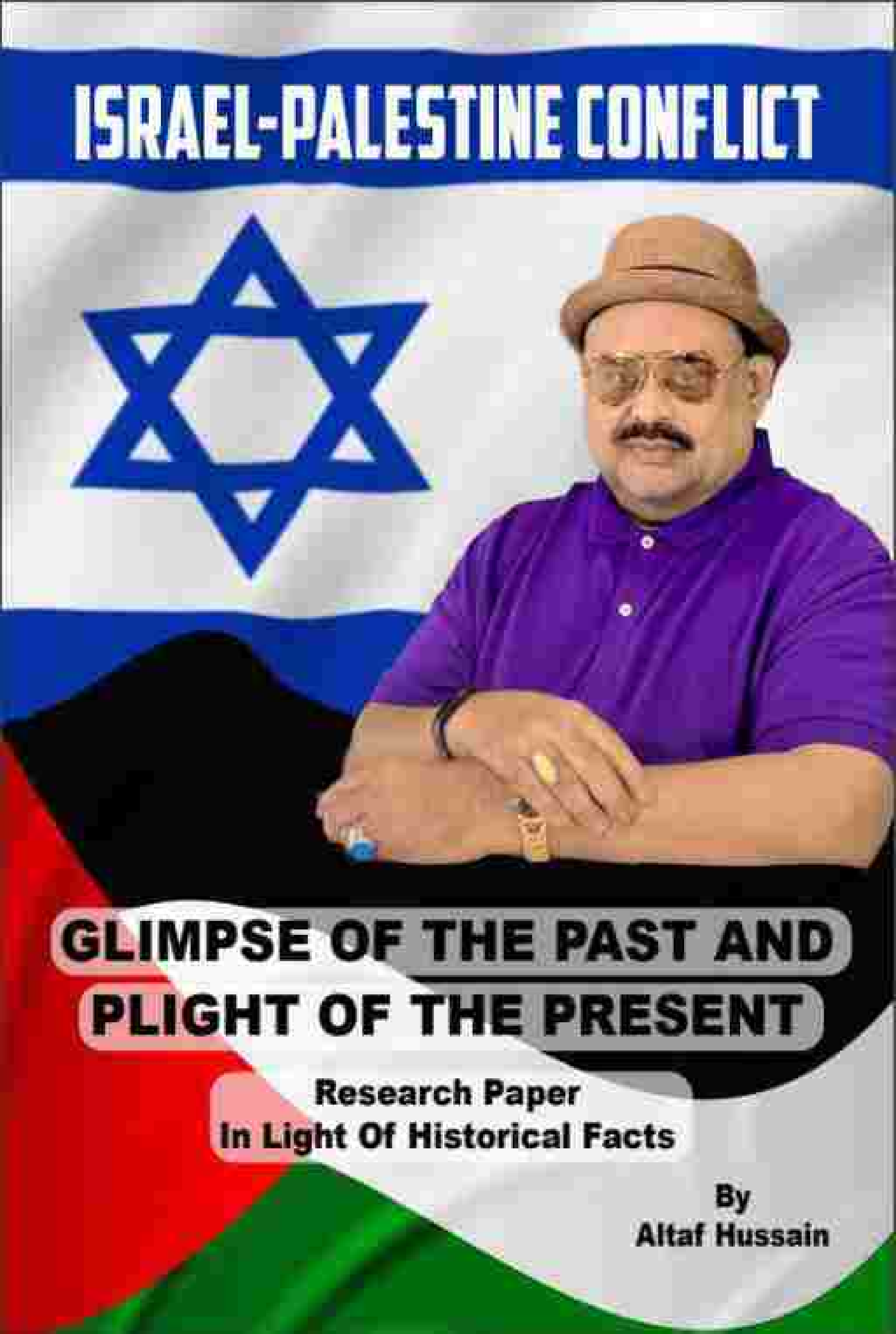
ISRAEL-PALESTINE CONFLICT
GLIMPSE OF THE PAST AND
PLIGHT OF THE PRESENT
Research Paper
In Light Of Historical Facts
By
Altaf Hussain